زیر سرپرستی حضرت ولی عصرؑ عجل اللہ فرجہ الشریف

سہ ماہی

مصباح الہدیٰ

دینی، علمی، سماجی جریدہ

جلد(۵) شمارہ(۴)

شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

مدیراعلیٰ
سیّد منظر صادق زیدی

مدیر
سیّد محمد ثقلین جوراسی

نائب مدیر
سید وقار حیدر اعظمی

قیمت فی شمارہ ٦٠ روپیہ

سالانہ ممبرشپ ۲۰۰ روپیہ

ہدیٰ مشن، شفاعت مارکٹ زہرا کالونی مفتی گنج لکھنؤ۔۳، اترّ پردیش، انڈیا

Huda Mission
Shafaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3
09415090034, 8726254727, 00989196645165
misbah_al_huda@yahoo.com
misbah.al.huda@gmail.com

سہ ماہی

مصباح الہدیٰ

دینی، علمی، سماجی جریدہ

مجلس مشاورت

عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب، عالیجناب مولانا قاضی محمد عسکری صاحب

عالیجناب مولانا ولی الحسن صاحب، عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب

عالیجناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب، عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین صاحب

عالیجناب ڈاکٹر ساجد امام زیدی صاحب

مجلس ادارت

عالیجناب مولانا سید تصدیق حسین صاحب، عالیجناب مولانا میثم زیدی صاحب

عالیجناب مولانا محمد سبطین باقری صاحب، عالیجناب مولانا وجیہ اکبر زیدی صاحب

عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد صاحب، عالیجناب مولانا فصاحت حسین صاحب

عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب

مصباح الہدیٰ میں شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مصباح الہدیٰ کو موصولہ تحریروں میں ترمیم کا مکمل اختیار ہے

مصباح الہدیٰ میں شائع شدہ مضامین کو نقل کرنے کی اجازت ہے

بسمہ تعالی

فہرست

۱	نورانی کلام	۴
۲	تفسیر	٦
۳	عیدغدیر کے باطنی ومعنوی پہلو	۱۴
۴	اسلام میں عقل کی اہمیت	۲۱
۵	ادب، ادیب، مودب اور تادیب	۲۵
٦	فخر سے کہو ہم شیعہ ہیں	۳۱
۷	جنت البقیع تاریخ کے پس منظر میں	۳۵
۸	مذموم دنیا اور ممدوح دنیا	۴۵
۹	امام رضاؑ کی روایات میں امامت اور نبوت کا تقابل	۵۴
۱۰	حدیث غدیر اور نہج البلاغہ	۷۰
۱۱	غیرمتوقع کامیابی	۸۴
۱۲	دعائے عرفہ کا تعارف	۹۱
۱۳	حج اور ہماری ذمہ داریاں	۹۸
۱۴	سماجی زندگی کا طریقہ	۱۰٦
۱۵	ایک یادگار مناظرہ	۱۱۴
۱٦	مذاق اڑانا	۱۱۸
۱۷	دنیائے اسلام	۱۲۱

احادیث امام رضاؑ مومن کی تین خاصیتیں

"لا یَکُونُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِنًا حَتّی تَکُونَ فیهِ ثَلاثُ خِصالٍ:: سُنّةٌ مِنْ رَبّهِ، وَ سُنّةٌ مِنْ نَبِیّهِ، وَ سُنّةٌ مِنْ وَلِیّهِ۔ فَأَمّا السّنّةُ مِنْ رَبّهِ فَکِتْمانُ سِرّهِ، وَ أَمّا السّنّةُ مِنْ نَبِیّهِ فَمُداراةُ النّاسِ، وَ أَمّا السّنّةُ مِنْ وَلِیّهِ فَالصّبْرُ فِی الْبَأْساءِ وَ الضّرّاءِ"

مومن اس وقت تک حقیقی معنی میں مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اس میں یہ تین صفات نہ پائے جائیں: ۱۔ اپنے رب کی سنت۔ ۲۔ اپنے نبی کی سنت۔ ۳۔ اپنے ائمہ معصومین اولیاء الٰہی کی سنت۔

رب کی سنت یہ ہے کہ اپنے راز کو چھپائے۔ اپنے پیغمبر کی سنت یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور نرمی سے پیش آئے۔ ائمہؑ کی سنت یہ ہے کہ تنگدستی اور پریشانی کے عالم میں صبر و شکیبائی سے کام لے۔

توضیح:

انسان کو چاہئے کہ کسی کا بھی راز اِفشا نہ کرے حتی کہ اپنے راز پر بھی سب کو آگاہ نہ کرے اس لئے کہ خود جس چیز کی حفاظت نہ کر سکے اس کے لئے دوسروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ کسی کو باخبر نہیں کرے گا حماقت ہے۔ اس لئے یہ سوچنا چاہئے کہ اگر ہم کسی کے راز سے باخبر ہو گئے ہیں تو خدا ہمارے ہر راز سے باخبر ہے لہٰذا ہم دوسرے کے رازوں کی حفاظت کریں خدا ہمارے راز کی حفاظت کرے گا۔

اسی طرح خداوند عالم کی عبادت کے ساتھ ساتھ بندگان خدا کی بھی مشکلات کے حل اور ان سے ہمدردی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، اور دنیا کی مشکلات ومصائب میں اپنے ائمہؑ کا کردار ملاحظہ کرے اور صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔

خاموشی کی برکت

"إنَّ الصَّمتَ بابٌ مِنْ أبوابِ الحِكْمَةِ، يَكْسِبُ الْمَحَبَّةَ، إنَّهُ دَليلٌ عَلى كُلِّ خَيْرٍ"

بے شک خاموشی حکمت کے ابواب میں سے ایک باب ہے، جو محبت کو کسب کر لیتی ہے، بے شک خاموشی ہر بھلائی کی دلیل ہے۔ (مستدرک الوسائل، ج۹ ص۱۶)

توضیح:

جب تک انسان خاموش رہتا ہے اس کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ عالم ہے کہ جاہل، اس کا معیار ادب، اس کے کلام کی گہرائی کیا ہے، لیکن جیسے ہی زبان کھلتی ہے انسان کی شخصیت اس کی زبان سے واضح ہوجاتی ہے۔ البتہ جہاں بولنے میں حکمت ہو اور بہتری ہو ایسی جگہوں پر خاموشی کو عبث اور ناپسند سمجھا گیا ہے۔ بولنے کی جگہ اور مقام ومصلحت کو پرکھنا نہایت ضروری ہے اسی لئے کہتے ہیں پہلے تولو پھر بولو۔

سخی اور کنجوس

"السَّخيُّ يَأكُلُ طَعامَ النّاسِ لِيَأكُلوا مِنْ طَعامِهِ، وَ الْبَخيلُ لا يَأكُلُ طَعامَ النّاسِ لِكَيْلا يَأكُلوا مِنْ طَعامِهِ"

سخی لوگوں کے کھانے میں سے کھاتا ہے تاکہ لوگ اس کے کھانے میں سے بھی تناول فرمائیں، لیکن بخیل کسی کا کھانا نہیں کھاتا تاکہ لوگ اس کے کھانے میں شریک نہ ہوجائیں۔

(مستدرک الوسائل، ج۱۵ ص ۳۵۸)

★★★★★

ھدیٰ مشن

کے زیر اہتمام جاری دینی خدمات میں حصہ لے کر تبلیغ کے قافلہ میں شامل ہوں

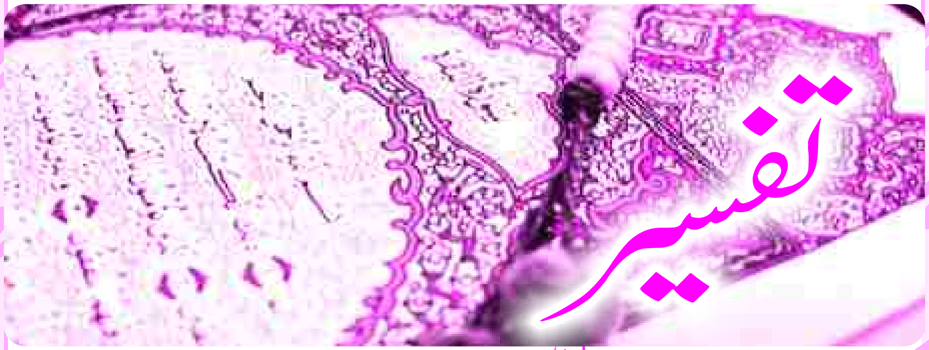

آیۃ اللہ العظمی آقای ناصر مکارم شیرازی

سات آسمانوں سے کیا مراد ہے؟

اس سلسلے میں مفسرین اور علماء اسلام کے گونا گوں بیانات اور مختلف تفاسیر ہیں۔

(۱) بعض سات آسمانوں سے وہی سبع سیارات (سات ستارے (یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، چانداورسورج) مراد لے تے ہیں۔علماء ہیئت قدیم کے نزدیک چانداورسورج بھی سیارات میں داخل تھے۔(۱)

(۲) بعض علماء نے نظام شمسی کے دس کرات (نو سیارے مشہور ہیں ایک اور سیارہ بھی ہے جو مریخ اور مشتری کے درمیان تھا لیکن وہ منتشر ہو گیا اس کا کچھ حصہ اسی طرح اسی مدار زمین میں محو گردش ہے) کو دو حصوں تقسیم کیا ہے ایک گروہ وہ ہے جو مدار زمین میں گردش کر رہے ہیں (جن میں عطارد اور زہرہ شامل ہیں) اور ایک گروہ مدار زمین سے باہر اور اس کے اوپر کی طرف ہے۔شاید اسی تفسیر سے یہی باہر کے سات سیارے مراد ہیں۔

(ب) بعض کا نظریہ ہے کہ اس سے مراد زمین کے گرد ہوائے متراکم کے طبقات ہیں اور وہ مختلف تہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔

(ج) بعض کہتے ہیں یہاں سات کا عدد تعدادی عدد (عدد مخصوص) کے معنی میں نہیں بلکہ عدد تکثیری ہے جس کے معنی ہیں زیادہ اور تعداد فراواں، کلام عرب اور خود قرآن میں کئی جگہ اس کی نظیریں موجود ہیں مثلاً سورہ لقمان آیت ۲۷ میں ہے:"ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ"

اگر زمین کے درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور سات سمندر مزید مل جائیں تو بھی کلمات خدا کو لکھا نہیں جاسکتا۔

بالکل واضح ہے کہ سات آیت میں سات سے مراد عدد مخصوص سات نہیں بلکہ اگر ہزار سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو اس سے خدا کے لامتناہی علم کو نہیں لکھا جاسکتا۔ اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ سات آسمانوں سے متعدد آسمان اور عالم بالا کے بہت سے کرات مراد ہیں اور اس سے کوئی عدد مخصوص مراد نہیں۔

(د) جو بات زیادہ صحیح دکھائی دیتی ہے وہ یہ کہ "سموات سبع" سے مراد آسمان ہی ہے جو اس کے حقیقی معنی ہیں۔ مختلف آیاتِ قرآن میں اس عبارت کا تکرار ظاہر کرتا ہے کہ سات کا عدد یہاں کثرت کے معنی میں نہیں بلکہ کسی خاص عدد کی طرف اشارہ ہے البتہ آیاتِ قرآن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام کرات، ثوابت اور سیارات جو ہم دیکھ رہے ہیں پہلے آسمان کا جزء ہیں اور چھ عالم اس کے علاوہ موجود ہیں جو ہماری نگاہ اور آج کے علمی آلات کی دسترس سے باہر ہیں اور مجموعی طور پر سات آسمانوں سے سات عالم تشکیل پذیر ہیں۔

قرآن اس گفتگو کا شاہد ہے:

"وزينا السماء الدنيا بمصابيح"

ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے سجایا۔ (فصلت، ۱۲)

دوسری جگہ پر یوں ہے۔

"انا زينا السماء الدنيا بزينة ن الكواكب"

یقیناً ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں سے زینت بخشی۔ (الصفت۔ ٦)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں۔ جسے ستاروں کی دنیا کہتے ہیں سب آسمان اول ہے اسکے علاوہ چھ آسمان اور موجود ہیں جن کی جزئیات کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے کہ چھ اور آسمان ہیں جو ہمارے لئے مجہول ہیں اور ممکن ہے کہ آئندہ علوم ان سے پردہ اٹھائیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے ناقص علوم جتنے آگے بڑھتے ہیں خلقت کے

نئے عجائبات تک دسترس حاصل کرتے ہیں مثلاً علم ہیئت ابھی وہاں تک پہنچا ہے جہاں سے آگے ٹیلی سکوپ telescope)) دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

بڑی بڑی رصدگاہوں کے انکشافات ایک عرب نوری سال کے فاصلے تک پہنچ چکے ہیں اور سائنس دان معترف ہیں کہ یہ تو آغاز عالم ہے اختتام نہیں لہذا اس میں کیا مانع ہے کہ آئندہ علم ہیئت کی ترقی سے مزید آسمان، کہکشائیں اور دوسرے عوالم کا انکشاف ہوجائے۔ بہتر ہے کہ گفتگو دنیا کی بہت بڑی رصدگاہ سے سنی جائے۔

عظمت کائنات:

پالومار کی رصدگاہ نے جہانِ بالا کی اس طرح توصیف کی ہے:

"جب تک پالومار کی رصدگاہ کی دوربین نہیں بنی تھی دنیا کی وسعت جو ہمیں نظر آتی تھی پانچ سو نوری سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن اب اس دوربین نے ہماری دنیا کی وسعت ایک عرب نوری سال تک پہنچا دی ہے اس کے نتیجے میں کئی ملین نئی کہکشاؤں کا انکشاف ہوا ہے جن میں سے بعض ہم سے ایک عرب نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہیں لیکن ایک عرب نوری سال کے فاصلہ کے بعد ایک عظیم مہیب اور تاریک فضا نظر آتی ہے جس کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی یعنی روشنی وہاں سے عبور نہیں کرسکتی کہ رصدگاہ کی دوربین کے صفحہ عکاسی کو متاثر کرے لیکن بلاشک اس مہیب و تاریک فضا میں کئی سوملین کہکشائیں موجود ہیں لیکن ہماری دنیا ان کہکشاؤں کی کشش سے محفوظ ہے۔

یہ عظیم دنیا جو نظر آرہی ہے جس میں کئی سوملین کہکشائیں موجود ہیں ایک عظیم تر جہان کا چھوٹا سا ذرۂ بے مقدار ہے اور ابھی ہم یقین سے نہیں کہ سکتے کہ اس دوسری دنیا کے اوپر بھی کوئی اور دنیا ہے۔

اس گفتگو سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ دنیائے علم آسمانوں کے بارے میں اپنی حیرت انگیز ترقی کے باوجود اپنے انکشافات کو آغاز جہاں سمجھتی ہے نہ کہ اس کا اختتام بلکہ ایک عظیم جہان کے مقابلے میں اسے ایک چھوٹا سا ذرہ خیال کرتی ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ

الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ

۳۰۔جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین پر ایک جانشین اور حاکم مقرر کرنے لگا ہوں تو فرشتوں نے کہا (پروردگارا) کیا ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو زمین پر فساد اور خونریزی کرے گا (کیوں کہ آدم سے پہلے زمین کے دوسرے موجودات جو عالم وجود میں آچکے ہیں ان کی طبیعت اور مزاج جہان مادہ کے حکم کا پابند ہے لہذا وہ فساد اور خونریزی کے گناہ ہی میں مبتلا تھے لیکن خلقت انسان کا مقصد اگر عبادت ہے تو) ہم تیری تسبیح اور حمد بجالاتے ہیں (اس پر پروردگار عالم نے فرمایا: میں حق کو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

۳۱۔پھر علم اسماء (علم اسرار خلقت اور موجودات کے نام رکھنے کا علم) سب کا سب آدم کو سکھایا پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر سچ کہتے ہو تو بتاؤ ان کے نام کیا ہیں۔

۳۲۔فرشتوں نے کہا تو پاک ومنزہ ہے جو تو نے ہمیں تعلیم دی ہے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے تو حکیم ودانا ہے۔

۳۳۔فرمایا: اے آدم، انہیں ان (موجودات) کے ناموں اور اسرار) سے آگاہ کردے جب اس نے انہیں آگاہ کردیا تو خدا نے فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں آسمان اور زمین کا غیب جانتا ہوں اور تم جن چیزوں کو ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو انہیں بھی جانتا ہوں۔

انسان زمین میں خدا کا نمائندہ

گذشتہ آیات میں پڑھ چکے ہیں کہ خدا نے زمین کی تمام نعمتیں انسان کے لئے پیدا کی ہیں اور ان آیات میں رسمی طور پر انسان کی رہبری اور خلافت کی تشریع کی گئی ہے اور اس روحانی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ان تمام احسانات کے لائق تھا۔

ان آیات میں آدم (پہلے انسان) کی خلقت کی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور آیات کے اس سلسلہ میں جو آیہ ۳۰ سے شروع ہوکر ۳۹ تک پہنچتا ہے تین بنیادی مسائل کو بیان کیا گیا ہے؛

(۱) پروردگار عالم کا فرشتوں کو زمین میں انسان کی خلافت و سرپرستی کے بارے میں خبر دینا اور وہ گفتگو جو فرشتوں نے اس سلسلے میں خدا سے کی۔

(۲) پہلے انسان کے لئے فرشتوں کو خضوع و تعظیم کا حکم جس کا ذکر مختلف مناسبات سے قرآن کی مختلف آیات میں کیا گیا ہے۔

(۳) بہشت میں آدم کی کیفیت اور رہنے کی تشریح، وہ حوادث جو جنت سے ان کے نکلنے کا سبب بنے، آدم کا توبہ کرنا اور پھر آدم اور اولاد آدم کا زمین میں آکر آباد ہونا۔

زیر بحث آیات ان میں سے پہلی منزل کی بات کرتی ہیں۔ خدا کی خواہش یہ تھی کہ روئے زمین پر ایک ایسا موجود خلق فرمائے جو اس کا نمائندہ ہو، اس کی صفات صفات خداوندی کا پرتو ہوں اور اس کا مرتبہ و مقام فرشتوں سے بالا تر ہو۔ خدا کی خواہش اور ارادہ یہ تھا کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں، تمام قوتیں سب خزانے، تمام کانیں اور سارے وسائل بھی اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ ضروری ہے کہ ایسا شخص عقل و شعور، ادراک کے وافر حصہ استعداد کا حامل ہو جس کی بناء پر موجودات ارضی کی رہبری اور پیشوائی کا منصب سنبھال سکے۔

> بڑی بڑی رصدگاہوں کے انکشافات ایک عرب نوری سال کے فاصلے تک پہنچ چکے ہیں اور سائنس دان معترف ہیں کہ یہ تو آغاز عالم ہے اختتام نہیں لہذا اس میں کیا مانع ہے کہ آئندہ علم ہیئت کی ترقی سے مزید آسمان، کہکشائیں اور دوسرے عوالم کا انکشاف ہو جائے۔

یہ وجہ ہے کہ پہلی آیت کہتی ہے یاد کریں اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین پر جانشین مقرر کرنے والا ہوں (واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ)۔

خلیفہ کے معنی ہیں جانشین، لیکن یہاں اس سے کس کا جانشین مراد ہے اور کس چیز میں جانشین

ہے،مفسرین نے اس کی مختلف تفسیریں کی ہیں:

بعض کہتے ہیں انسان یااورموجودات کا جانشین جوزمین میں پہلے زندگی گذارتے تھے۔

بعض نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ انسان کی دوسری نسلیں ایک دوسرے کا جانشین ہوں گی۔

لیکن انصاف یہ ہے جسے بہت سے محققین نے بھی قبول کیا ہے کہ اس سے مرادخلافت الٰہی اور زمین میں خدا کی نمائندگی ہے کیونکہ اس کے بعدفرشتوں کا سوال اوران کا کہنا کہ ممکن ہےنسل آدم مبداءفسادوخونریزی ہوجب کہ ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اسی معنی سے مناسبت رکھتا ہے کیونکہ زمین میں خدا کی نمائندگی ان کاموں کے ساتھ سازگارنہیں۔

اسی طرح آدم کو"اسماء" کی تعلیم دیناجس کی تفصیل بعدمیں آئے گی اس دعوے پرایک اورواضح قرینہ ہےاورآدم کے سامنےسجدہ بھی اسی مقصدکا شاہدہے۔

بہرحال خدا چاہتا تھا کہ ایسے وجودکو پیدا کرے جوعالم وجودکا گلدستہ ہواورخلافت الٰہی کے مقام کی اہلیت رکھتاہواورزمین میں اللہ کانمائندہ ہو۔

ان آیات کی تفسیر میں ایک حدیث جوامام صادق سے مروی ہےوہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ فرشتے مقام آدم پہچاننے کے بعدسمجھ گئے کہ آدم اوران کی اولادزیادہ حقدار ہیں کہ وہ روئے زمین میں خلفاءالٰہی ہوں اورمخلوق پران کی حجت ہوں۔

(معانی الاخبار بحوالہ المیزان،جلد ا،ص ۱۲۱)

زیربحث آیت مزید بیان کرتی ہے کہ فرشتوں نے حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے نہ کہ اعتراض کی غرض سےعرض کیا: کیا زمین میں اسے (جانشین) قراردے گا جوفسادکرے گا اورخون بہائے گا(قالو اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء) جبکہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں،تیری تسبیح وحمدکرتے ہیں اورجس چیز کی تیری ذات لائق نہیں اس سے تجھے پاک سمجھتے ہیں (ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک)۔

مگر یہاں خدا نے انہیں سربستہ ومجمل جواب دیا جس کی وضاحت بعد کے مراحل میں آشکار ہوئی فرمایا: میں ایسی چیزوں کوجانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے (قال انی اعلم مالاتعلمون)۔

جیسے کہ ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے سمجھ گئے تھے کہ یہ انسان سر براہی نہیں بلکہ فساد کرے گا، خون بہائے گا اور خرابیاں کرے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ کس طرح سمجھے تھے۔

بعض کہتے ہیں خدا نے انسان کے آئندہ حالات بطور اجمال انہیں بتائے تھے جب کہ بعض کا احتمال ہے کہ ملائکہ اس مطلب کو لفظ "فی الارض" (زمین میں) سے سمجھ گئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے انسان مٹی سے پیدا ہوگا اور مادہ اپنی محدودیت کی وجہ سے طبعا مرکز نزاع وتزاحم ہے کیونکہ محدود مادی زمانہ انسانوں کی طبیعت کو سیر و سیراب نہیں کر سکتا جو زیادہ کی طلب رکھتی ہے یہاں تک کہ اگر ساری دنیا ایک فرد کو دے دی جائے تو ممکن ہے وہ پھر بھی سیر نہ ہو اگر کافی احساس ذمہ داری نہ ہو تو یہ کیفیت فساد اور خونریزی کا سبب بنتی ہے۔

بعض دوسرے مفسرین معتقد ہیں کہ فرشتوں کی پیشین گوئی اس وجہ سے تھی کہ آدم روئے زمین کی پہلی مخلوق نہیں تھے بلکہ اس سے قبل بھی دیگر مخلوقات تھیں جنہوں نے نزاع، جھگڑا اور خونریزی کی تھی۔ان سے پہلے کی مخلوق کی بری فائل نسل آدم کے بارے میں فرشتوں کی بدگمانی کا باعث بنی۔

یہ تین تفاسیر ایک دوسرے سے کچھ زیادہ اختلاف نہیں رکھتیں یعنی ممکن ہے یہ تمام امور فرشتوں کی اس توجہ کا سبب بنے ہوں اور دراصل یہ ایک حقیقت بھی تھی جسے انہوں نے بیان کیا تھا یہ وجہ ہے کہ خدا نے جواب میں کہیں بھی اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ ایسی مزید حقیقتیں انسان اور اس کے مقام کے بارے میں موجود ہیں جن سے فرشتے آگاہ نہیں تھے۔

فرشتے سمجھتے تھے اگر مقصد عبودیت اور بندگی ہے تو ہم اس کے مصداق کامل ہیں ہمیشہ عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں لہذا سب سے زیادہ ہم خلافت کے لائق ہیں لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ ان کے وجود میں شہوت وغضب اور قسم قسم کی خواہشات موجود نہیں جب کہ انسان کو میلانات وشہوات نے گھیر رکھا ہے اور شیطان ہر طرف سے اسے وسوسے ڈالتا رہتا ہے لہذا ان کی عبادت انسان کی عبادت سے بہت زیادہ تفاوت رکھتی ہے۔کہاں اطاعت اور فرمانبرداری ایک طوفان زدہ کی اور کہاں عبادت ان ساحل نشینوں کی جو مطمئن، خالی ہاتھ اور سبک بار ہیں۔

انہیں کب معلوم تھا کہ آدم کی نسل سے محمد، ابراہیم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیھم السلام جیسے انبیاء

اور ائمہ اہل بیت جیسے امام اور صالح بندے اور جانباز شہید مرد اور عورتیں عرصہ وجود میں قدم رکھیں گے جو پروانہ وار اپنے آپ کو خدا کی راہ میں پیش کریں گے۔ ایسے افراد جن کے غور وفکر کی ایک گھڑی فرشتوں کی سالہا سال کی عبادت کے برابر ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرشتوں نے اپنی صفات کے بارے میں تین چیزوں کا سہارا لیا تسبیح، حمد اور تقدیس۔ اس میں شک نہیں کہ تسبیح اور حمد کے معنی ہیں خدا کو ہر قسم کے نقص سے پاک اور ہر قسم کے کمال کا اہل سمجھنا لیکن یہ کہ تقدیس سے کیا مقصود ہے۔

بعض نے تقدیس کے معنی "پروردگار کو ہر قسم کے نقصان سے پاک شمار کرنا" بیان کئے ہیں جو کہ دراصل تسبیح کے معنی کی تاکید ہے۔

لیکن بعض معتقد ہیں کہ تقدیس مادہ "قدس" سے ہے جس کے معنی ہیں روئے زمین کو فاسد اور مفسد لوگوں سے پاک کرنا یا اپنے آپ کو ہر قسم کی بری اور مذموم صفات سے پاک کرنا اور جسم وجان کو خدا کے لئے پاک کرنا لفظ "لک" کو جملہ "نقدس لک" میں اس مقصود کے لئے شاہد قرار دیتے ہیں کیونکہ فرشتوں نے یہ نہیں کہا کہ "نقدسک" یعنی ہم تجھے پاک سمجھیں گے بلکہ انہوں نے کہا "نقدس لک" یعنی تیرے لئے معاشرے کو پاک کریں گے۔

درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ہدف اور غرض، اطاعت اور بندگی ہے تو ہم فرمانبردار ہیں اور اگر عبادت ہے تو ہم ہر وقت اس میں مشغول ہیں اور اگر اپنے آپ کو پاک رکھنا یا صفحہ ارضی کو پاک رکھنا ہے تو ہم ایسا کریں گے جب کہ یہ مادی انسان خود بھی فاسد ہے اور روئے زمین کو بھی فاسد کردے گا۔

حقائق کو تفصیل سے ان کے سامنے واضح کرنے کے لئے خدا وندے عالم نے ان کی آزمائش کے لئے اقدام کیا تاکہ وہ خود اعتراف کریں کہ ان کے اور اولاد آدم کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

★★★★★

اگر آپ کی ممبر شپ ختم ہوگئی ہے تو براہ کرم جلد روانہ فرمائیں

عید غدیر کے باطنی ومعنوی پہلو

آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ

میں تمام مومنین، دنیا بھر کے مسلمانوں اوران آزادلوگوں کوعید سعید غدیر کی مبارکباد پیش کرتا ہوں جوان فضائل وکمالات کے دلدادہ ہیں جوہمیں صرف امیر المومنین (علیہ الصلاۃ والسلام) ہی کی ذات میں نظر آتے ہیں۔

غدیر کئی لحاظ سے قابل توجہ اوراہم ہے۔ یہ تصورنہیں ہونا چاہئے کہ عید غدیر بھی باقی عیدوں کی طرح ایک عام سی عید ہے اگر چہ ہراسلامی عید کا ایک ظاہری اور علامتی پہلو ہے اور ایک باطنی اور معنوی! لیکن عید غدیر جیسا باطنی اور معنوی پہلو کسی کا نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں ایک رخ تو یہ ہے کہ اسلام کس سمت اور کس رخ سے آگے بڑھے گا یہ ہمارے اعتقاد سے متعلق ہے یعنی یہ ولایت کا پہلو ہے اور دوسرا رخ مسئلہ امامت پر اعتقاد اور امامؑ کے پیغمبر اسلامؐ یا حقیقت میں خدا کی طرف سے منصوب ہونے کا ہے اگر مسلمان تحقیقی نظر سے اس واقعہ کو دیکھیں تو تصدیق کریں گے کہ پیغمبرؐ نے اس کار عظیم یعنی حج سے واپسی کے موقع پر راستہ میں، ایک صحرا میں، اپنی زندگی کے آخری سال میں، ان مقدمات و موخرات کے ساتھ امیرالمومنین کا نام لینے اور "من کنت مولاہ فھذاعلی مولاہ" کہہ کر امیرالمومنین (علیہ السلام) کا تعارف کرانے کے معنی، پیغمبرؐ کے بعد، اسلام کی ولایت وحکومت کی تعیین کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

تاریخ گواہ ہے کہ عالم اسلام کے محققین نے اس واقعہ اور پیغمبرؐ کی اس عبارت کے یہی معنی درک کئے اور سمجھے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں حکومت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسلامی معاشرہ

پر ایک ایسی حکومت قائم ہو جائے جو حکومتی امور اور لوگوں کی زندگی نظم وضبط سے چلانے کی اہل ہو۔ اسلام کی نظر میں صرف اتنی سی بات نہیں ہے بلکہ اسلام میں حکومت کا مطلب امامت ہے۔

امامت کا مطلب جسم وروح دونوں کی قیادت ہے صرف جسمانی قیادت اور لوگوں کی معمولی روزمرہ زندگی چلانا مراد نہیں بلکہ دلوں کی قیادت، قلب وروح کو کمال تک پہنچانا اور افکار اور روحانیت کو اعلیٰ درجات تک لے جانا مراد ہے امامت کا یہ مطلب ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے! دیگر مذاہب میں بھی یہ بات رہی ہے لیکن اس وقت دیگر مذاہب کی کوئی بھی قابل اعتبار چیز انسانوں کے پاس نہیں ہے مگر اسلام کے پاس واضح سند موجود ہے۔

اسلام کی تحریک اور دیگر تحریکوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام کا وجود انسانی زندگی کی قیادت کے لئے ہے اسلام دنیا اور آخرت دونوں ہی کی تعمیر چاہتا ہے لوگوں کی روزمرہ زندگی کے انتظام و انصرام کے ساتھ ساتھ انسان کی کمال حقیقی تک رسائی بھی اپنے ذمہ لیتا ہے۔ امامت کے یہی معنی ہیں اور اس لحاظ سے خود پیغمبر اکرمؐ بھی امام تھے ایک روایت میں ہے کہ امام باقر (علیہ السلام) نے منیٰ میں لوگوں کے درمیان بلند آواز سے فرمایا: "انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کان ھو الامام" پیغمبر بھی امام تھے۔

امامت یعنی لوگوں کی زندگی میں دین ودنیا کی حکومت! بہرحال یہ اس واقعہ کا ایک رخ ہے یعنی اعتقادی رخ! اور شیعہ اس درخشاں چراغ اور اس واضح منطق کے ذریعہ صدیوں سے انصاف پسند متلاشیان حق کیلئے حق وحقانیت کا اثبات کرتے آئے ہیں۔

تمام تر مشکلات رکاوٹوں اور دباؤ کے باوجود جو شیعہ خود کو باقی رکھ سکے ہیں اس کی وجہ اسی واضح اور مضبوط منطق کی پشتپناہی اور اس پر انحصار ہے اگر یہ منطق نہ ہوتی تو شیعہ بکھر کر ختم ہو جاتے یہ بہت مضبوط منطق ہے۔

واقعہ کا دوسرا رخ اس شخصیت کے معنوی فضائل وکمالات پر توجہ ہے جسے پیغمبرؐ نے اپنے بعد (خلیفہ وامام) معین کیا ہے یعنی امیرالمومنین (علیہ السلام) کے فضائل وکمالات پر توجہ۔ جنہیں پیغمبرؐ نے عہدہ امامت کیلئے منتخب کیا ہے ایک عام انسان کسی شخص کے کمالات کے تمام پہلوؤں

کا اندازہ لگانا چاہے تو یہ اس کے بس سے باہر ہے اس کے لئے الٰہی اور مافوق بشری حساب کتاب کی ضرورت ہے اب اسی قسم کے حساب کتاب کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ نے امیر المومنین (علیہ السلام) کو اس منصب اور مقام کے اہل قرار دیا ہے۔

جب تک زمانہ ہے تب تک اسلام کی حکومت رہے گی مختلف افراد اپنی مختلف صلاحیتوں کے ساتھ حکومت تشکیل دیں گے اسلام کے شروع ہی میں یہ بات طے تھی لہذا اس حکومت کا سرچشمہ جس شخص کے حوالہ کیا جائے اور پوری تاریخ اس سے سیراب ہوتی رہے ضروری تھا کہ وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی منزلت کا ہو! یہ سرچشمہ کسی عام انسان کو نہیں سونپا جاسکتا تھا۔ تو سرچشمہ امیر المومنینؑ کے پاس ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہؑ بھی (اگرچہ اسی منصب پر فائز تھے لیکن انہیں حکومت کا موقع نہیں دیا گیا) امیر المومنین کو نگاہ عظمت سے دیکھتے تھے آئمہ طاہرینؑ امیر المومنینؑ کو آسمان امامت کا سورج اور خود کو ستارہ سمجھتے تھے۔ امیر المومنینؑ ان سے افضل تھے۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اس قدر فضلیت کے باوجود پیغمبرؐ نے فرمایا:

"وابوھما افضل منھما" امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے ان کے پدر گرامی زیادہ افضل ہیں یہ ہے امیر المومنین (علیہ السلام) کا مقام!

لہذا ہم خدا کے برگزیدہ بندوں کیلئے جن فضائل وکمالات کے قائل ہیں وہ سب امیر المومنین (علیہ الصلاۃ والسلام) میں موجود تھے اسی لئے پیغمبرؐ نے اس منصب کے لئے ان کا انتخاب کیا۔ یہ دوسرا پہلو ہے جس میں امیر المومنین (علیہ السلام) کے فضائل وکمالات کی طرف توجہ ہے۔

غدیر کا ایک اور پہلو جو ہمارے لئے اس دور میں بہت اہم ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ کیلئے امیر المومنین (علیہ السلام) کی شخصیت اور جو سماج وہ تشکیل دینا چاہتے تھے نمونہ قرار پانا چاہئے ہمارا آئیڈیل یہ ہے لہذا ہمیں اسی نمونہ عمل کے مطابق عمل کرنا چاہئے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تاریخ میں کچھ ایسے لوگ بھی وجود میں آسکتے ہیں جو امیر المومنینؑ کے ہم پلہ ہوں یا ان سے تھوڑا نچلے درجہ پر فائز ہوں۔ نہیں، یہ مطلب نہیں ہے ہمارے بزرگ ہمارے علماء ہماری ممتاز شخصیات امیر المومنین (علیہ السلام) کے غلام قنبر کے ہم پلہ نہیں ہیں امیر المومنینؑ کے قدموں کی دھول

بھی نہیں بن سکتے یہ حضرات! ہم کسی بھی شخص کا اس ذات گرامی کے ساتھ موازنہ نہیں کر سکتے ہم ایسا نہیں کر سکتے لیکن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں نمونہ عمل بنا کر عمل کر سکتے ہیں۔

جب طالب علم کو مشق کے لئے نمونہ دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ بہر صورت وہی تحریر اور وہی نقش و نگار اختیار کر لے، نہیں بلکہ اسے یہ بتایا جاتا ہے کہ تمہیں اس طرح لکھنا ہے اس سمت میں حرکت کرنا ہے تمہارا ہدف یہ ہونا چاہئے اور اسی لحاظ سے تمہیں کوشش کرنا چاہئے اس وقت ہمارے اسلامی معاشرہ کی کوشش وہ کام ہونے چاہئیں جنہیں امیر المومنین (علیہ السلام) انجام دینا چاہتے تھے اور جب موقع ملا تو انہیں انجام دیا آپ دیکھئے کہ امیر المومنین (علیہ السلام) جو نظام تشکیل دینا چاہتے تھے اس کی بنیادیں کیا تھیں ہم انہیں بنیادوں کو مدنظر رکھ قدم آگے بڑھائیں۔

> اسلامی فرقے ایک دوسرے کو چھیڑنے، جذبات بھڑکانے اور آپس میں دشمنی پیدا کرنے سے پرہیز کریں اس وقت ایک بڑا دشمن سامنے ہے جو نہ سنی ہے نہ شیعہ اور نہ ہی کسی اور اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

عدل، اخلاق، توحید، کام میں خدا کو مدنظر رکھنا، سماج کی تمام اکائیوں کو مہربان نظر سے دیکھنا! امیر المومنین (علیہ السلام) اپنے گورنر سے فرماتے ہیں: لوگ یا تمہارے دینی بھائی ہیں یا انسانیت کے لحاظ سے تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ آپ ملاحظہ کیجئے کہ اس نگاہ میں کتنی وسعت ہے انسانی اکائیاں! انسان (جو انسان امیر المومنینؑ بنانا چاہتے ہیں) کی تمام انسانی اکائیوں پر مہربان نظر اس طرح کی ہوتی ہے! مہربان نظر!

اس کے بعد گناہ، خلاف ورزی اور خیانت پر سخت اور دوٹوک کاروائی! امیر المومنینؑ اپنے نہایت قریبی افراد کی طرف سے بھی خلاف ورزی، خیانت اور دین خدا سے انحراف برداشت نہیں کرتے تھے مہربانی اپنی جگہ اور دوٹوک قانونی کاروائی اپنی جگہ! امیر المومنین (علیہ السلام) کا یہ طریقہ کار تھا اور یہی ہمارے لئے نمونہ عمل ہے ممکن ہے ہم اس ہدف تک پہنچنے کے سلسلہ میں دوسرے

تیسرے درجہ سے ہی آگے نہ بڑھ پائیں اگر مثلاً دس درجہ ہوں تو! لیکن اسی راہ پر چلنا ضروری ہے ہمارا ہدف یہی ہو! غدیر کا یہ مطلب ہے! ہم غدیر کو جو زندہ رکھنا چاہتے ہیں یہ صرف عقیدتی اور امیرالمومنین (علیہ السلام) کی فضیلت کے لحاظ سے نہیں ہے اس کی بھی بہت اہمیت ہے ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارا سماج علوی سماج ہے ہماری تمنا ہے کہ ہم بھی اس سماج میں شامل ہوجائیں جو امیرالمومنین (علیہ السلام) تشکیل دینا چاہتے تھے لہذا ہمیں ان بنیادوں کی رعایت کرنا ہوگی۔

اس واقعہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ امیرالمومنین (علیہ السلام) نے اپنی تمام تر فضیلت کے باوجود، اپنے اس حق امامت کے اس قدر واضح ہونے کے باوجود جو انہیں پیغمبرؐ اور خدا نے عطا کیا تھا جب دیکھتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کمزور ہے اگر وہ اپنے حق کیلئے قیام کرتے ہیں، اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو ممکن ہے اسلام خطرہ میں پڑ جائے تو گوشہ نشین ہوجاتے ہیں یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے کہ آپ صرف الگ ہوکر بیٹھ ہی نہیں گئے یعنی یہ نہیں کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ ہو اس وجہ سے اپنے حق کا صرف مطالبہ نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ تعاون بھی کیا جو ان کی نظر میں منصب حق کے اہل نہیں تھے اور اسلامی معاشرہ پر حکومت کررہے تھے آپ نے جب دیکھا کہ اسلام کو اس چیز کی ضرورت ہے تو آپ نے اپنا حق قربان کیا یہ ایک اور سبق ہے (غدیر کا) یہ علوی سبق ہے۔

اس وقت دنیائے اسلام میں ہماری منطق قوی ترین منطق ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے شیعوں کی منطق امامت و ولایت کی منطق ہمیشہ اور ہر دور میں ایک قوی ترین منطق رہی ہے لیکن اس کے باوجود کہ ہم اپنی اس منطق اور رفتار و گفتار پر مکمل یقین رکھتے ہیں، عالم اسلام کے تمام بھائیوں کو خواہ کسی بھی فرقہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اتحاد اور اخوت کی دعوت دیتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ اختلاف پیدا ہو دوسروں کی نفی کرکے خود کو ثابت نہیں کرنا چاہتے یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے اور یہی اسلامی یکجہتی سے مراد ہے۔

یہ عین وہی دروازہ ہے جہاں سے دشمنان اسلام دراندازی کرکے امت مسلمہ کو زیادہ کمزور کرنا چاہتے ہیں سالہا سال تک انہوں نے عالم اسلام اور مسلمان حکومتوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسلامی دنیا کے اندر جو دل چاہا کیا مسلم علاقوں میں جو چاہا انجام دیا اب جب مسلم اقوام بیدار ہوچکی

ہیں اور عالم اسلام کے ایک حصہ یعنی اسلامی ایران میں عوام کی موجودگی اور اقتدار کے ذریعہ اتنی عظمت وسربلندی ملی ہے اور دوسری اقوام بھی روز بروز بیدار ہوتی جا رہی ہیں تو استکبار یعنی وہی ابدی دشمن پھر سے پوری ذلت کے ساتھ اسلامی دنیا کے اندر اختلاف کا وائرس پھیلانا چاہتا ہے، اختلافات میں شدت لانا چاہتا ہے اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے یہ بھی غدیر کا ایک سبق ہے یہ بھی امیرالمومنین (علیہ السلام) کا ایک درس ہے۔

جن لوگوں نے اسی وقت امیرالمومنین (علیہ السلام) کے پاس آ کر کہا کہ یا علیؑ حق آپ کے ساتھ ہے ہم یہ کریں گے وہ کریں گے آپ کی حمایت کریں گے آپ ان کے دباؤ میں مت آیئے، امیرالمومنین (علیہ السلام) نے سب کو واپس کر دیا اور اگر قیام کرنا چاہتے اپنے حق کا دفاع کرنا چاہتے تو انہیں کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی (اکیلے ہی کافی تھے) لیکن آپؑ نے دیکھا کہ اسلامی معاشرہ اس اختلاف اور ٹکراؤ کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا لہذا آپ الگ ہٹ گئے یہ بھی ہمارے لئے ایک سبق ہے۔

اختلافات کو پھر سے ہوا نہیں ملنی چاہئے، ان میں تازگی نہیں آنی چاہئے اسلامی فرقوں کو ایک دوسرے کے مقدسات جو کہ ہر فرقہ کے لئے حساس ہیں کی توہین نہیں کرنی چاہئے۔ طے ہے کہ حساس پوائنٹ پر انگلی رکھنے اور اسے چھیڑنے سے دوسرے کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور پھر اس کا نتیجہ پوری دنیائے اسلام کے اختلاف کی صورت میں نکلتا ہے ہمارا یہ کہنا ہے کہ اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔

عالم اسلام کے ہر ہمدرد کا یہی کہنا ہے کہ اسلامی فرقے ایک دوسرے کو چھیڑنے، ایک دوسرے کے جذبات بھڑکانے اور آپس میں دشمنی پیدا کرنے سے پرہیز کریں اس وقت ایک بڑا دشمن سامنے ہے جو نہ سنی ہے نہ شیعہ اور نہ ہی کسی اور اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے وہ شیعوں کے پاس جا کے کچھ کہتا ہے، سنیوں کے پاس جاتا ہے تو کچھ اور کہتا ہے اور یہ سب کر کے ان کے درمیان اختلاف اور لڑائی جھگڑا ابنانا چاہتا ہے اس دشمن سے بچ کے رہنے کی ضرورت ہے۔

ایرانی قوم خدا کی توفیق سے ستائیس، اٹھائیس سال سے اس سرزمین پر اسلامی پرچم لہرا رہی ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے استکباری سازشوں کے جواب میں وہ طریقہ اپنایا ہے کہ استکبار ایرانی قوم

کے مقابلہ میں اپنی ہر چال میں ناکام ہوا ہے۔

اسلامی جمہوریہ کے خلاف استکباری سازشوں کی فہرست بنائی جائے تو بلا استثنا ان سب میں بڑے بڑے دعوے کرنے والے مغروروں ہی کی شکست ہوئی ہے ہمارا کوئی دعویٰ نہیں تھا لیکن ہم اپنی مسلمان عوام کے ایمان، خدا پر توکل اور اپنی میدان میں موجودگی کی برکت سے اور اس بات کی برکت سے کہ ہم صرف اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہتے تھے ہمیں ہر مسئلہ میں شورشرابہ کرنے والی استکباری مشینری پر برتری ملی یہ لوگ انواع واقسام کے اختلافات پھیلانا چاہتے تھے لیکن ناکام رہے ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میرے عزیزو! اسی راہ پر چلتے رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے دشمن سے غافل نہ ہوں ہر مسئلہ میں ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایک دشمن ہے جو ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے یہ طریقہ ہمیں قرآن کریم سکھا رہا ہے آپ ملاحظہ کیجئے کہ قرآن مجید میں کتنی بار شیطان کا نام آیا ہے ایک بار کہہ دیا جاتا کہ ایک شیطان ہے تو بات ختم ہوجاتی لیکن یہ بار بار تذکرہ اس لئے ہے کہ انسان اپنی زندگی میں (جو کہ چیلنج اور جنگ سے بھری ہے) کبھی بھول نہ جائے کہ اس کا ایک دشمن ہے اور ممکن ہے وہ نقصان پہنچائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم دشمن سے غافل نہ ہوں خدا ہمارا مددگار رہے یہ ذہن میں رہے میدان میں حاضر رہنے کی ذمہ داری سے غافل نہ ہوں یہ نہایت اہم اور مؤثر ہے۔

پروردگار انشا اللہ اس عید کو پوری قوم کے لئے مبارک قرار دے اور اپنے بلند اسلامی اہداف سے قریب ہونے کو عیدی قرار دے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

★★★★★

صاحبان قلم اور شعراء کرام سے گذارش ہے کہ اپنے رشحات قلم ارسال فرما کر تبلیغ دین میں تعاون فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

افلا یتفکرون

اسلام میں عقل کی اہمیت

پروفیسر سید فرمان حسین صاحب

محمد ابن سلیمان دیلمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا :

”فلان من عبادۃ و فضلہ کذا فقال کیف عقلہ قلت لا ادری فقال ان الثواب علی قدر العقل ان رجلا من بنی اسرائیل کان یعبداللہ فی جزیرۃ من جزائر البحر خضراء نضرۃ کثیرۃ الشجر ظاھرۃ الماء و ان ملکا من الملامکۃ مر یہ فقال یارب ارینی ثواب عبدک ھذا نارا اہ اللہ ذالک فاستقلہ الملک ناوجی اللہ ان اصحبہ فاتاہ الملک فی صورۃ النی فقال لہ من انت قال انا رجل عابد بلغنی مکانک وعبادتک فی ھذاالمکان فاتیک لاعبداللہ فکان معہ لومہ ذالک فلما اصبح قال لہ الملک ان مکانک نضرۃ و مایصلح الا للعبادۃ فقال لہ العابد ان لمکاننا ھذا عیبا فقال لہ و ماھو قال نیس لربنا فلو کان لہ حمار رعیناہ فی ھذا الموضوع فان ھذا لحشیش یضیع فقال لہ الملک و مالربک حمار فقال لو کان لہ جمار ما کان یضیع مثل ھذا لحشیش فاوحی اللہ الی الملک انما اثیبہ علی قدر عقلہ“

”کہ فلاں شخص کی عبادت اور دین الینا ایسا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کی عقل کیسی ہے انہوں نے کہا کہ یہ تو میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا کہ ثواب تو عقل کے حساب سے ہی ملتا ہے بنی اسرائیل میں سے ایک شخص سمندر کے جزیرہ ہرا بھرا گھنے درختوں اور شفاف پانی والا تھا ملائکہ میں سے ایک فرشتہ اس کے پاس سے گذرا اور اس نے کہا اے پروردگار تو مجھے اپنے اس بندے کا ثواب دکھادے۔

اسے اللہ نے اس کا ثواب دکھا دیا اس ثواب کو فرشتہ نے کم محسوس کیا اللہ نے اس کی طرف وحی کی کہ تو اس کے پاس قیام کر فرشتہ بشری شکل میں اس کے پاس آیا اس شخص نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا میں ایک مرد عبادت گذار ہوں مجھے تیرے مرتبہ اور اس مقام پر تیری عبادت کے بارے میں خبر ہوئی تو میں تیرے پاس آیا کہ میں تیرے ساتھ اللہ کی عبادت کروں وہ فرشتہ ایک دن اس کے ساتھ رہا جب صبح ہوئی تو فرشتہ نے کہا کہ تیار یہ مسکن بہت اچھا ہے اور عبادت کے لئے مناسب ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ہمارے اس مقام میں ایک عیب ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے پروردگار کا کوئی جانور نہیں ہے اگر اس کا کوئی گدھا ہوتا تو ہم اسے اس جگہ پر چراتے کیوں کہ گھاس ضائع ہو رہی ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ کیا تیرے رب کا کوئی گدھا ہے اس نے کہا کہ اگر گدھا ہوتا تو ایسی گھاس ضائع نہ ہوتی اللہ نے فرشتہ کو وحی کی کہ میں اسے ثواب اس کی عقل کے مطابق ہی دیتا ہوں۔''

ہشام ابن حکم سے امام موسیٰ بن جعفر نے ایک طویل حدیث میں عقل کے بارے میں اس طرح فرمایا ہے:

''ان اللہ علی الناس حجتین حجة ظاھرۃ و حجة باطنة فالعقول'' ۱۱۴؎

''بندوں پر اللہ نے دو حجتیں قائم کیں ہیں۔ ایک حجت ظاہرہ اور ایک حجت باطنہ حجت ظاہرہ رسول، نبی اور امام ہیں اور حجت باطنہ عقل۔ امام رضاؑ کے بارے میں حسن ابن جہم کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

''لا یعبأ باھل الدین ممن لا عقل لہ'' ۱۱۵؎

''نہیں پروا کی جاسکتی اس اہل دین کی جس کے پاس عقل نہ ہو''

قرآن مجید اور عقل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں عقل کس بلند درجہ پر فائز ہے اس کو انسانیت کا جوہر کامل حجت یافتہ اور موضوع احکام الٰہیہ قرار دیا گیا ہے لیکن اس مقام پر اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ عقل خود مستقل طور پر رہنمائے کامل نہیں ہے وہ بہت سے عوامل سے متاثر ہو کر اپنے صحیح مقام سے ہٹ جاتی ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) عقول: اپنے اوراکات، احکام اور خیر و شر کا اندازہ لگانے میں مختلف ہیں۔ بعض عقول ان چیزوں کو مستحسن سمجھتے ہیں جنہیں دوسرے اچھا نہیں سمجھتے اور بعض عقول ان امور کو برا سمجھتے ہیں جنہیں دوسرے برا نہیں سمجھتے ہیں۔ عہد حاضر ہی میں کہ خود طرز حکومت کے بارے میں عقلیں متفق نہ ہوسکیں عقل کے دعویداروں میں سے کوئی جمہوریت چاہتا ہے کہ کوئی شخصی سلطنت، کوئی پارلیامانی نظام چاہتا ہے تو کوئی صدارتی طرز حکومت اور کوئی ان سب سے الگ ہو کر آمریت کا دم بھرتا ہے۔ اس طرح عقلیں اس جوہر کامل کو تلاش نہ کرسکیں جو انسانی زندگی کو بہتر نظام دے سکتا۔

> مذہب عقل کو بے کار شئے نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو باطن کی ایک ایسی روشنی تسلیم کرتا ہے جو رہنما اور رہبر تو ضرور بن سکتی ہے حق و باطل میں امتیاز بھی کرسکتی ہے۔ مگر اس کے لئے وہ باہر کی روشنی (وحی الٰہی) کی محتاج ہے۔

(۲) عقلوں پر اکثر جذبات کا بھی غلبہ ہوجاتا ہے کیونکہ کہ بہت سے قوانین فکر و عقل کی اساس پر وضع کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ نوع بشر کی سلامتی اور حفاظت کے لئے ہیں۔ ان کے ذریعے حقوق انسانیت کی محافظت ہوگی۔ مگر کچھ ہی عرصہ گذرنے پر اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان قوانین کا سبب محض شخصی رغبت یا کوئی عصبی نشانہ تھا اس کو مصلحت عامہ کا لباس محض فریب اور دھوکے کے لئے پہنایا گیا۔

(۳) عقل اپنے ادراکات میں محدود ہے اس کو آنے والے کل کے حوادث کی کوئی خبر نہیں ہے اور نہ مستقبل کے تقاضوں کی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج ایک قانون بنایا جاتا ہے مگر تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا نقص ظاہر ہوجاتا ہے اس لئے یا تو اس میں ترمیم کی جاتی ہے یا اس کے بجائے کوئی دوسرا قانون بنایا جاتا ہے اور پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس دوسرے قانون کا بھی وہی حشر ہوتا ہے جو پہلے کا ہوا تھا۔

(۴) فرانسیسی فلاسفر دی کارت/ ۱۶۵۰ء۔ ۱۵۹۴ء) جو فلسفہ جدید کا بانی سمجھا جاتا ہے اور

اس نے علم وفلسفہ کی راہ پر چلنے والوں کے لئے بہت سے نئے مبادی وضع کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے ''کسی شی کو اس وقت کا تسلیم نہ کیا جائے جب تک عقل اس کی تفتیش اور اس کے وجود کی تحقیق نہ کرلے پس جو شی اتفاقی یا تخمینی معلومات پر مبنی ہو یا جس کا وجود صرف عرف پر مبنی ہو اس کو ہرگز نہ تسلیم کیا جائے''۔

اس کے اس اصول کی روشنی میں یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں ہے کہ عقل بھی کبھی کبھی اوہام اور فاسد افکار میں ملوث ہوجاتی ہے اس لئے اس کے احکام ماضی کے واقعات، حال کے مشاہدات اور مستقبل کے دور رس سے نتائج اخذ کرنے کے بعد تخمین اور ظن غالب کی صورت میں صادر ہوتے ہیں۔ نیز وراثت اور ماحول سے متاثر ہوکر اس کے احکام میں نت نئے انقلابات ہوتے رہتے ہیں اس لئے عقل کی تمام خوبیوں کے باوجود اس کو وہ مقام نہیں دیا جاسکتا کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہ رہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ عقل کو جذبات میں بہکنے سے روکنے کے لئے اور اس کو حقیقت تک پہنچانے کے لئے کوئی ایسی چیز ہو جو یقین اور علم حقیقی کی اساس پر قائم ہوتا کہ یقین وعلم حقیقی کو تخمین وظن پر غلبہ رہے اور یہ چیز وحی الٰہی کے علاوہ کوئی دوسری نہیں ہوسکتی جو عقل کو سلیم اور فکر کو مستقیم رکھتی ہے۔ لہٰذا مذہب عقل کو بے کار شئے نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو باطن کی ایک ایسی روشنی تسلیم کرتا ہے جو رہنما اور رہبر تو ضرور بن سکتی ہے حق وباطل میں امتیاز بھی کرسکتی ہے۔ مگر اس کے لئے وہ باہر کی روشنی (وحی الٰہی) کی اس طرح محتاج ہے جس طرح آنکھ کے اندر کی روشنی مشاہدے کے لئے خارجی روشنی کی محتاج ہے۔

عقل اسی وقت اپنا صحیح کام کرسکتی ہے جب وہ قرآن مجید اور احادیث کی روشنی سے کسب فیض کرتی رہے۔

★★★★★

ہدیٰ مشن معارف دین اور حقاءق تشیع سے لوگوں کو روشناس کرانے میں مصروف ہے۔ اپنے احباب سے ہدیٰ مشن کا تعارف کرائیں اور تعاون فرما کر کاروان تبلیغ میں شامل ہوں

ادب، ادیب، مودب اور تادیب

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا محمد حسن معروفی صاحب

الفاظ جہاں افہام وتفہیم کا ذریعہ ہیں وہیں اپنے اعضا وجوارح نیز اپنے وجود سے ماورا، تمام معقول ومحسوس اشیاء کو نام اور شناخت الفاظ ہی عطا کرتے ہیں اور ان الفاظ کو ترتیب وترکیب کے ساتھ ذہن انسانی میں موجود زبان کے ذریعہ ادائیگی یا قلم کے ذریعہ تحریر کو بھی زبان کا نام دیا جاتا ہے دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں اور سیکڑوں زبانوں کو تحریر کا لباس مل چکا ہے اور رسم الخط پانے والی اکثر زبانوں میں لاکھوں کتابیں آج لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں اور ہر زبان کے اکثر وبیشتر الفاظ ومحاورات کے معانی ومفاہیم اور مصادیق طے کر دیے گئے جنہیں ''معانی'' کہا جاتا ہے اور الفاظ ومعانی کے مجموعہ کو کتاب اللغت کہا جاتا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ زبان منجمد پہاڑ نہیں بلکہ رواں دواں نہر وندی کے مانند ہے اس لئے بہت سارے الفاظ کے خروج وشمول سے نیا خوبصورت اور زود فہم اسلوب وجود میں آتا ہے جس سے تقریر وتحریر کا رنگ روپ بھی بدلتا رہتا ہے۔ الفاظ کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ کبھی کسی دور وعہد میں ایک یا چند الفاظ کسی مسلک ومذہب یا کسی خاص علم وفن سے مخصوص ہو کر خاص معانی ومفاہیم میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔ ایسے معانی ومفاہیم کو ''اصطلاحی'' معانی ومفاہیم کہا جاتا ہے جیسے مجلس، ماتم، تعزیہ وغیرہ کے ''عزائی اصطلاح'' میں الگ معانی ہیں اور لغت کے اعتبار سے الگ اور حج، زکوٰۃ، صلوٰۃ وغیرہ کے ''فقہی اصطلاح'' میں بالکل الگ معانی ہیں اور کتاب اللغت میں الگ

اردو اسم بامسمیٰ زبان ہے جیسے ایک لشکر ڈھیروں افراد کے اجتماع سے تشکیل پاتا ہے اسی طرح

اردو زبان بھی بہت ساری زبانوں کے اختلاط سے وجود میں آئی ہے جسکی عمر دوسری رائج زبانوں کے مقابل بہت کم ہے لیکن اپنی تمامتر نکھرتی خوبیوں کی وجہ سے اپنے وجود کو دنیا میں بہت حد تک منوا لیا ہے اور آج دنیا میں افہام و تفہیم اور ابلاغ و تبلیغ کی زبانوں میں اردو زبان کو بھی ایک مقام حاصل ہے۔

اب آیئے اس مضمون کے عنوان میں شامل چار الفاظ جنکے بنیادی حروف " الف، دال اور با" ہیں مگر مکتوبی شکل و صورت الگ الگ ہے اس لئے انکے معانیٰ و مصادیق بھی جدا جدا ہیں اور یہ چاروں الفاظ احادیث معصومین علیھم السلام میں آئے ہیں۔ ان میں غور و فکر کریں کہ معانی مصادیق کیا ہیں۔

ادب کیا ہے

صاحب، مصباح اللغات، لفظ ''الادب'' کے ضمن میں لکھتے ہیں ناشائستہ باتوں سے روکنے والے اخلاقی ملکہ (یعنی قدرت و صلاحیت) کو ادب کہا جاتا ہے اور ادب کا دوسرا معنیٰ ''زیرکی و خوش طبعی'' بھی ہے۔ ''ادب'' کی جمع آداب ہے لیکن لفظِ آداب کا اطلاق علوم و معارف پر بھی ہوتا ہے اور کسی چیز یا کسی شخص کے مخصوص قوانین کے لیے بھی لفظِ آداب بولا جاتا ہے جیسے آداب مجلس، آداب درس، آداب دسترخوان وغیرہ اور بول چال نیز تحریر کی غلطیوں سے بچانے والے علم کو ''ادب'' کہا جاتا ہے۔

کچھ مغربی دانشوروں نے مل کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات والا صفات سے متعلق ایک کتاب ''سُپر مین ان اسلام'' تحریر کی ہے جس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے اس میں علم و ادب سے متعلق امام صادق علیہ السلام کے فرمودات کو اس طرح نقل کیا ہے۔

''ادب ایک لباس سے عبارت ہے جو تحریر یا تقریر کو پہناتے ہیں تاکہ سننے یا پڑھنے والے کے لیے کشش پیدا ہو'' (سُپر مین اِن اسلام ص: ۱۹۴)

اسی صفحہ کے آگے نقل کرتے ہیں کہ:

''ہر علم میں ادب ہے لیکن ممکن ہے ہر ادب میں علم نہ ہو'' اور اسی کتاب میں یہ قول تحریر ہے ''ہر وہ چیز جو آدمی کو کچھ سکھائے وہ علم ہے''۔ (سُپر مین اِن اسلام ص: ۱۹۹)

احادیث میں لفظِ ادب

غرر الحکم اور میزان الحکمۃ میں ''موضوع ادب'' کے تحت ایک ہی جگہ پر سرکار مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بہت سارے اقوال و فرامین ذکر ہوئے ہیں جن میں سے چند پیشِ خدمت ہیں۔

- "الادب کمال الرجل" ادب انسانی کمال کا نام ہے۔
- "الادب احسن سجیة" ادب بہترین خصلت ہے۔
- "افضل الشرف الادب" بہترین شرف وعزت ادب ہے۔
- "اشرف حسبِ حسن الادب" بہترین خاندانی شرافت و افتخار حسنِ ادب ہے۔
- "علیک بالادب فانہ زین الحسب" ادب سیکھو! کیونکہ ادب خاندانی شرافت کی زیب و زینت ہے۔
- "لا حلل کالآداب" ادب سے بہتر کوئی پوشاک نہیں۔
- "ان بذوی العقول من الحاجۃ آلی الادب کما یظمأ الزرع الی المطر" صاحبانِ عقل کو ادب کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کھیتی کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔
- "الادب صورۃ العقل" ادب عقل کی تصویر ہے۔

یہ صرف احادیث و اقوال نہیں ہیں بلکہ درحقیقت ہر قول اپنی جگہ ''خود یابی'' و ''خود شناسی'' کے لیے آئینہ ہے ذرا ''ادب'' کے لغوی معنیٰ کو سامنے رکھئے۔ صاحب مصراح اللغات نے ''ادب'' کو ناشائستہ باتوں سے بچانے والے اخلاقی ملکہ یعنی برائیوں سے بچانے والی قوت وقدرت بتایا ہے پھر احادیث پڑھتے جائیے تو یقین بڑھتا چلا جائیگا کہ یقیناً ادب، انسانی کمال، بہترین خصلت، عالی ترین شرافت، خاندانی زیب و زینت، بہترین لباس اور عقل کی تصویر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور اب اپنے کو ڈھونڈھیں کہ ادب مجھ سے یا میں ادب سے کتنا یا کس قدر دور یا قریب ہوں۔

اگر قریب ہیں تو ''اقرب'' ہونے کے لیے اور اگر دور ہیں تو قریب ہونے کے لئے بے چینی یا

مایوسی سے بچنے کے لئے طاقت بنائیں۔

ادیب کون؟

ہر زبان حروف و اسماء و افعال سے مرکب ہوتی ہے مختلف مقصود و معانی کے حصول کے لئے افعال کی شکل و صورت بدلتی رہتی ہے جسکی تفصیل ''علم صرف'' میں مذکور ہے۔ ہر فعل میں حداقل تین بنیادی حروف ہوتے ہیں انکے بیچ والے حرف پر زیر زبر یا پیش آنے سے ابواب بنتے ہیں اور وہ ابواب ان حروف کو معانی عطا کرتے ہیں۔ ادب، ادیب، مودب اور تادیب میں بنیادی حروف الف، دال اور با ہیں اگر ان تینوں حروف کو ''علم صرف'' کے باب کَرمَ یکرمُ یعنی اَدُبَ یاَ دُبَ سے استعمال کیا جائے تو معنی ''زیرک و دانشمند ہونا یا صاحب ادب ہونا'' ہوگا اور لفظ ''ادیب'' صفت کا مظہر ہوگا اور یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ اگر صفت کسی ذات میں بطور ثبوت موجود ہو تو اسکو ''صفتِ مشبہ'' کہا جاتا ہے اس طرح ''ادیب'' وہی ہوسکتا ہے یا اسکو ہی لکھا یا کہا جاسکتا ہے جس میں زیرکی و دانشمندی اور تحریر و تقریر میں غلطیوں سے بچنے کی صفت و صلاحیت بطور ثبوت موجود ہو۔

> عظیم مؤدب وہی ہیں جنکی تربیت اللہ نے فرمائی ہے انکے بعد واقعی مودب وہ ہیں جنہیں معصومین علیھم السلام نے تربیت دی ہے انکے بعد باشرف وہ لوگ جنہوں نے تربیت معصوم میراث میں حاصل کی ہے۔

الف، دال، با ''علم صرف'' میں اگر ضَرَبَ یَضرِبُ کے باب سے اَدَبَ یا دِبُ استعمال ہو تو اس کا معنی ہوگا۔ دعوت کا کھانا تیار کرنا، دعوت میں بلانا، اور اس باب سے صفت مشبہ کا صیغہ نہیں آتا اس لئے صفت مشبہ کا صیغہ صرف ابوابِ لازمہ سے آتا ہے ورنہ ہر باورچی ''ادیب'' ہوجائیگا۔

احادیث میں ادیب

علمِ زبان کے ادب میں ادیب اسی کو کہا جاتا ہے جو شیفتۂ ادب اور ادب کا دلدادہ ہو۔ سرکار

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں

● "مَن كَلِفَ بالأدبِ قَلَّتْ مَساوِيهِ" جو ادب کا دلدادہ ہوگا اس سے برائیاں کم سرزد ہونگی۔

(میزان الحکمۃ)

یعنی اس قول کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ جو جتنا پاکدامن ہوگا وہ اتنا ہی بڑا ادیب ہوگا مولا علیؑ نے ادب کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے۔

● "كَفاكَ أدباً لنفسِكَ اجتنابُ ماتَكرَهُهُ مِن غيرِكَ"

صاحب ادب یعنی ادیب ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم اپنے کو ان باتوں سے محفوظ رکھو جنکو تم دوسروں سے ناپسند کرتے ہو۔ (میزان الحکمۃ)

اور آپؑ کا یہ بھی فرمان ہے "إذا زادَ عِلمُ الرّجلِ زادَ أدبُهُ، و تضاعَفَتْ خَشيتُه لربِّهِ"

علم میں اضافہ سے ادب بڑھتا ہے اور خوف خدا دوبرابر ہو جاتا ہے۔ (میزان الحکمۃ)

ان فرامین سے پتہ چلتا ہے کہ انسان جتنا روحانی و معنوی اعتبار سے بلند ہوگا اتنا برتر ادیب بھی ہے یعنی تربیت یافتہ ہے۔

مودب کون

ا۔د۔ب کو اگر باب تفعیل میں استعمال کیا جائے یعنی اَدَّبَ یُؤَدّبُ تادیباً کہا جائے تو تادیب کے مندرجہ ذیل معانی ہونگے۔

مہذب بنانا۔ شائستہ بنانا۔ ادب سکھانا۔ جرم پر سزا دینا مذکورہ چار معانی میں سے تین معانی میں یکسانیت ہے یعنی تہذیب و شائستگی و ادب بہت قریب قریب کے صفات حسنہ ہیں۔ احادیث میں مذکورہ تین معانی کے لیے تادیب کا لفظ زیادہ تر آیا ہے جیسے حضرت امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

● "إنّ اللهَ عزّ و جلّ أدّبَ نبيّه فأحسنَ أدبَهُ، فلَمّا أكمَلَ لَهُ الأدبَ قالَ: "و إنَّكَ لَعلَى خُلُقٍ عظيمٍ" ثمّ فَوّضَ إليهِ أمرَ الدِّينِ و الاُمّةِ لِيَسُوسَ عِبادَهُ"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیامبر کی تربیت کی اور بہترین تربیت فرمائی اور جب مکمل ادب سے مزین فرما دیا تب کہا ''آپ خلق عظیم پر فائز ہیں'' اس کے بعد دین اور امت کے امور

حوالے کئے۔ (میزان الحکمۃ)

خود سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أنا أديبُ اللهِ، و عَليٌّ أدِيبي"

میں تربیت یافتہ الٰہی ہوں اور علیؑ نے مجھ سے تربیت پائی ہے۔ (میزان الحکمۃ)

اور مولا علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"إنّ رسولَ الله صلى الله عليه و آله أدّبَهُ اللهُ عزّ و جلّ، و هو أدّبَني، و أنا أؤَدِّبُ المؤمنينَ، و أورِثُ الأدبَ المُكرَمينَ" رسول تربیت یافتہ پروردگار ہیں اور میری رسولؐ نے تربیت کی ہے اور میں مومنین کو تربیت دیتا ہوں اور باشرف لوگوں کو ادب کی میراث عطا کرتا ہوں۔ (میزان الحکمۃ)

مذکورہ احادیث سے واضح ہے ''مودب'' تربیت یافتہ کو کہتے ہیں عظیم مؤدب وہی ہیں جنکی تربیت اللہ نے فرمائی ہے انکے بعد واقعی مودب وہ ہیں جنہیں معصومین علیھم السلام نے تربیت دی ہے انکے بعد باشرف وہ لوگ جنہوں نے تربیت معصوم میراث میں حاصل کی ہے۔

تادیب کیا ہے

تادیب کے معانی ہیں ایک معنیٰ ''جرم پر سزا دینا'' بھی ہے اس معنیٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تادیب، بلا ومصائب ومشکلات کے نزول کی صورت میں ہوتی ہے البتہ ابتلاء بلا کی حیثیت سے تادیب کے نام الگ الگ ہیں جیسا کہ مولا علیؑ فرماتے ہیں: "اِنّ البلاءَ للظّالمِ أدبٌ، و للمؤمنِ امتحانٌ، و للأنبياءِ دَرَجةٌ، و للأولياءِ كَرامةٌ"۔ بلا ظالم کے لئے سزا، مومنین کے لیے امتحان، انبیاء کے لیئے درجہ اور اولیاء کے لیے کرامت وعزت ہے۔ (میزان الحکمۃ)

اور امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"أيُّما ناشٍ نَشأ في قومِهِ ثمّ لم يُؤَدَّبْ على معصيتِهِ كانَ اللهُ عزّ و جلّ أوّلُ ما يُعاقِبُهُم فيهِ أن ينقُصَ مِن أرزاقِهِم" کوئی جوان اپنی قوم میں پروان پانے کے دوران گناہ کرے اور قوم اسکے گناہ پر تادیب نہ کرے تو اللہ انہیں انکے رزق میں کمی کر کے سزا دیتا ہے۔ (میزان الحکمۃ)

★★★★★

فخر سے کہو ہم شیعہ ہیں

عالیجناب مولانا پیغمبر عباس نوگانوی صاحب

شیعہ مذہب! نہایت صاف ستھرا، عقلی، منطقی اور نجات کا ضامن مذہب ہے جس میں تلاش کرنے کے باوجود بھی نقص نظر نہیں آئے گا، لیکن دانا دشمن نے نادان دوستوں کو اس مذہب کی بیخ کنی کے لئے میدان میں اتار دیا ہے، جس کا مرکز پاکستان کے صوبہ پنجاب کو بنایا ہوا ہے اور وہ تمام علمی و روحانی اصطلاحیں جو معصومین یا ان کے نائبین نے شیعہ مذہب کے پیروکاروں کو عطا کی تھیں انہیں پاکستانی پنجاب کے جاہل، چرسی اور نشیڑیوں کی ایجاد کردہ اصطلاحوں سے تبدیل کیا جا رہا ہے جو بے حد خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔

رسول اسلامؐ اور اہل البیتؑ نے امام علیؑ و دیگر گیارہ ائمہ کی امامت کے معتقدین کے لئے لفظ ''شیعہ'' استعمال فرمایا ہے، اور معصومینؑ سے مروی بے شمار حدیثوں میں لفظ ''شیعہ'' استعمال کیا گیا ہے لیکن شیعوں کو چھوٹے چھوٹے گروپوں میں تقسیم کرنے کے لئے، مولائی، تبرّائی، مناجاتی، ملنگ اور اخباری وغیرہ کے مختلف ناموں سے مشہور کیا جا رہا ہے اور پھر یہ گروپ کبھی آپس میں متحد نہ ہو سکیں اس لئے عقائد میں تحریفات کی جا رہی ہیں اور نئے نئے عقائد گڑھ کر ان گروپوں کے درمیان نشر کئے جا رہے ہیں۔

اہل نظر بخوبی واقف ہیں اگر کسی مذہب یا قوم کو نابود کرنا ہوتا ہے تو اس سے اس کا کلچر چھین لیا جاتا ہے، ہمارے سامنے ترکی بہترین مثال ہے جس سے صرف اس کا رسم الخط چھین لیا گیا تھا تو ترکی آج تک نہ سنبھل سکا جبکہ زبان یا رسم الخط کوئی بھی ہو اس کو سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا لیکن مادری

زبان سے سمجھوتا نہیں ہونا چاہیے، اسی طرح ہندوستانی شیعوں کے درمیان پاکستانی پنجاب کا کلچر رائج کیا جارہا ہے، بہت ہی خطرناک صورتحال ہوجائے گی اُس روز جب یہ پنجابی کلچر دھیرے دھیرے ہمارے سماج کا جزء بن جائے گا، سلام کی جگہ یا علی مدد کہنا، چرس کو علی بوٹی کہہ کر پی جانا، لباس اتار کر مجمع عام میں سینہ زنی کرنا، صلواۃ کے بجائے خودساختہ نعرے لگانا، ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کے بجائے مجلس یا محفل میں" جیوجیو" کی صدائیں بلند کرنا وہ اعمال ہیں جو پاکستانی پنجاب سے مخصوص ہیں اور ہمارے یہاں بھی سرایت کر رہے ہیں اور ان میں شرعی اشکال بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ کلام کی ابتدا" سلام" سے کرنے کی تاکید روایات میں موجود ہے اور سلام کی جگہ ''یا علی مدد'' کہنا، معصومین کی روایات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

اسی طرح "نشہ" حرام ہے اور یہ لوگ اسے امام علیؑ کے مقدس نام سے منسوب کرکے توہین کرتے ہیں اور حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، مجمع عام میں لباس اتار کر برہنہ ہونا حرام ہے اور یہ لوگ اس کو بھی انجام دیتے ہیں، بعض وہ چیزیں بھی ہیں جن میں شرعی اشکال تو نہیں ہے لیکن ہمارے کلچر کو ملیا میٹ کرنے کے لئے کافی ہیں، ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کی جگہ ''جیوسید'' جس کے اسٹیکر اب بائکوں اور عمومی مقامات پر نظر آنے لگے ہیں حتی کے شعرا اور ذاکرین کی حوصلہ افزائی کے لئے بھی ''جیوجیو'' کے نعرے لگنے لگے ہیں جب کہ ہندوستان، بالخصوص اتر پردیش میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا، واہ! واہ! اور سبحان اللہ کی صداؤں سے حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

اسی طرح عزاداری مخجملہ ماتم داری کو ''پرسہ داری'' کہنے لگے ہیں اور اپنے آپ کو" مولاؐ کا نوکر"، یا مذہبی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے اپنے اس عمل خیر کو ''مولا کی نوکری'' کہنے لگے ہیں، تاریخ شاہد ہے مولا کے یہاں نوکر چاکر کا نظام نہیں تھا، خدمت گار غلام ضرور ہوتے تھے جن کے ساتھ غلاموں جیسا برتاؤ بھی نہیں کیا جاتا تھا، نوکر چاکر کی اصطلاح اتر پردیش میں مناسب نہیں ہے کیونکہ یہاں تصور دوسرا ہے جس سے ایک ظالمانہ نظام ذہن میں آتا ہے، اب بعض شیعہ بستیوں میں ایک مخصوص گروہ پنجابی زبان میں نوحے پڑھنے لگا ہے اور اُسی انداز میں برہنہ ہوکر سینہ زنی کررہا ہے جب کہ ان نوحوں کا مطلب خود نوحہ خوان یا نوحہ سننے والے بھی نہیں سمجھتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ

لوگ شہدائے کربلا پر گریہ سے محروم ہو گئے کیونکہ جب نوحہ سمجھیں گے نہیں تو گریہ کس طرح کریں گے؟

اسی طرح جاہل پنجابیوں کا پہناوا بھی اپنی پہچان بنالیا ہے جس سے ایسی بدنما ہیئت بن جاتی ہے جو اسلام یا شیعہ کے شایان شان نہیں ہے ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں انگوٹھیاں، کلائی میں موٹے موٹے کڑے اور کلاوے، جوؤں کی بہترین پناہ گاہ لمبے الجھے ہوئے بال، میلے کچیلے کپڑے، گلے میں انواع واقسام کی مالائیں، اورشکل ایسی کہ جیسے کبھی انسانی معاشرہ دیکھاہی نہ ہو، اورپھرکہا یہ جاتا ہے کہ یہ لوگ مولائی ہیں؟ بہت پہنچے ہوئے ہیں؟ ہرگزنہیں! یہ توہرلحاظ سے مولا کو بدنام کررہے ہیں اورمولا کی توہین کا باعث ہیں۔

ایسے لوگ نہ صرف شیعہ سماج بلکہ پوری انسانیت کے لئے عظیم خطرہ ہیں، دنیا کے تمام مذاہب کسی نہ کسی لحاظ سے دنیا میں فعالیت کو بہت اہمیت دیتے ہیں اوراسلام نے دنیاوی فعالیت کوسرفہرست قرار دیا ہے، لیکن ملنگیت انسان کو جامد بناتی ہے اور ہر قسم کے تحرک سے باز رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ قلندروں کی تعریفیں اور ''دھمال'' جیسی اصطلاحوں کے ہندوستانی شیعوں میں وارد ہونے کا خطرہ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے کیونکہ پاکستان میں جاہل ذاکروں نے مجلسوں میں" دھمال" اور قلندروں کی تعریفیں شروع کردی ہیں، اگر یہ وائرس انڈیا سے پاکستان جانے والے اَن پڑھ ذاکروں کو لگ گیا تو پھر انڈیا میں اس کا پھیلنا یقینی ہے، جبکہ ان دونوں ہی چیزوں کا مذہب اہل البیت ؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے، دھمال سنسکرت کا لفظ ہے ''دھرم+آل'' سے مل کر بنا ہے اوراردو میں بطوراسم استعمال ہوتا ہے، اردولغت میں سب سے پہلے ۱۸۰۹ عیسوی میں استعمال ہوا جس کے معنی اچھل کود، دھما چوکڑی اورشوروغل کرنے کے ہیں، عرف عام میں مزاروں پر کئے جانے والے بے ہنگم رقص کو بھی دھمال کہتے ہیں، اسی طرح قلندر ترکی زبان کا لفظ ہے اوراگرنام نہاد شیعہ ذاکر پاکستان میں اپنے گھر پر قلندری دھمال کرائے تو سمجھ لیجئے اس کا شیعیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اورخود ملنگ کی اصطلاح ہی ایک صحت مند معاشرے کے لئے کونسی جائز ہے، کیونکہ ملنگ اُسے کہتے ہیں جو اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو، اور یہ لوگ کہتے بھی یہی ہیں کہ ہم علیؑ کے دیوانے ہیں، امام علیؑ کو دیوانوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نہایت عقلمند انسان امام علیؑ کے کام آسکتا ہے، دیوانہ تو دیوانہ ہوتا ہے وہ کبھی بھی نقصان پہنچا سکتا ہے اوراکثر نقصان ہی پہنچاتا ہے، دیوانے سے کبھی فائدہ نہیں پہنچتا، ان اصطلاح کے

شیعوں میں رائج ہونے سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ امام علیؑ کے اصحاب کا مرتبہ کمتر ہوگیا اور یہ صدائیں آنے لگی ہیں کہ ابوذر، سلمان فارسی، عمار یاسر وغیرہ بھی تو ملنگ تھے "نعوذباللہ"۔

ایک خطیب نے امام علیؑ کے اصحاب کو علی الاعلان ملنگ کہا! یہ لوگ ہرگز ملنگ نہیں تھے بلکہ امام علیؑ کی انہیں جتنی بھی محبت تھی وہ معرفت کے ساتھ تھی اور ملنگ صرف محبت کا دعویٰ کرتے ہیں جو بغیر معرفت کے ہوتا ہے یعنی صرف نکمے، ناکارہ اور نکھٹو لوگوں کا زبانی دعوی ہوتا ہے جو عمل سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، جبکہ بغیر عمل کے اہل البیتؑ کی محبت کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس پنجابی اصطلاح "ملنگ" کا ہندوستان میں رائج ہونے کا ایک ضرر یہ بھی ہوگا کہ لوگ عمل خیر سے کوسوں دور ہوجائیں گے جس کی وجہ سے ہمارا شیعہ سماج بغیر موت کے اپنے آپ مرجائے گا۔

اس اصطلاح کے رائج ہونے کا دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ شیعہ سماج نظام رہبری سے دور ہوجائے گا، چاہے رہبری معصوم کی ہو یا غیر معصوم کی، ملنگ اس سے دور بھاگتا ہے، کیونکہ اگر ملنگ ایسے سماج کا جز بن جائے جو نظام رہبری کو دل سے قبول کرتا ہو تو پھر انہیں رہبر کی اطاعت کرنا پڑے گی اور یہ چیز ملنگیت سے تضاد رکھتی ہے، اس کے علاوہ خود عوام بالخصوص غیر مسلمین میں ملنگوں کے ذریعہ اسلام کے تئیں منفی پیغام جاتا ہے اور اسلام کو نقصان پہنچتا ہے، مثلا ملنگ برسوں نہیں نہاتے اور اسلام صفائی ستھرائی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، ہندوستان کے سماج میں غیر مسلمین کی نگاہیں کتابوں میں لکھی ہوئی ان حدیثوں تک نہیں پہنچیں گی جن میں اسلام نے صفائی ستھرائی کی بہت زیادہ تاکید کی ہے لیکن میلے کچیلے ملنگوں کو سب آسانی سے دیکھ کر اسلام کا حلیہ سمجھ لیں گے جس سے سیدھے طور پر اسلام کا ہی نقصان ہوگا۔

اب اچھے بھلے لوگ جو بظاہر ملنگ نہیں ہیں بھی اس اصطلاح سے متاثر ہوکر کہنے لگے ہیں کہ ملنگ ہونا کوئی بری بات نہیں ہے، مولا کے چاہنے والے کو ملنگ کہتے ہیں، جب معصومینؑ نے مولا کے چاہنے والے اور پیروکار کے لئے ''شیعہ'' لفظ استعمال کیا ہے تو پھر کونسی ترجیحی وجہ جاہل پنجابیوں کی اصطلاح ملنگ میں موجود ہے جسے ہمارے شیعہ سماج میں معصوم کے عطا کردہ لفظ ''شیعہ'' کے بجائے رائج کیا جارہا ہے؟

★★★★★

جنت البقیع تاریخ کے پس منظر میں

عالیجناب مولانا سجاد ربانی صاحب

خداوند عالم نے انبیاؑء اور اوصیاؑء کو اپنے نور سے خلق فرمایا اور انھیں اپنے اسرار کا راز داں، اور اپنی میراث علم وحکمت کا ورثہ دار بنایا تا کہ زمانے میں اٹھنے والی ظلم واستبداد اور جہالت کی آندھیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں اور تمام امور پر مطلع کیا تا کہ امت کی کشتی کسی بھنور میں نہ پھنس جائے اور اس کے سوار ساحل مراد تک پہونچ سکیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ انھیں مشعل راہ بنایا تا کہ دنیا کے کسی بھی بشر کے لئے منزل مقصود وبال جان نہ بن جائے اور راہ راست تک پہونچنا کوئی دشوار امر نہ ہو جائے کہ جس کے لئے وہ اپنے خالق سے دور ہی رہے اور لذت قرب الٰہی کو چکھ نہ سکیں۔

لہٰذا اس نے ان ہستیوں کو اپنے کمالات کا مظہر بنا کر بھیجا اور یہ افراد اس دنیاوی حیات سے ظاہری طور پر پردہ اختیار کرنے کے بعد بھی آسمان ہدایت پر آفتاب بن کر اپنی ضیاء پاشی کرتے رہے اور اس کائنات کو اپنے الٰہی اور ایمانی نور سے منور کرتے رہے جس کے نتیجہ میں ہر دور کا ظالم ان کے آثار، تبرکات اور یادگار چیزوں سے حراساں رہا، چونکہ میراث انبیاؑء اور اوصیاؑء، اپنے دامن میں قوموں کے عروج وزوال پر مشتمل ایک تاریخ رکھتی ہے جس کے ذریعہ ہر انسان کی عقل اسے یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ افراد کیا ہوئے؟ کیوں اللہ نے کسی قوم کی تقدیر کا فیصلہ ان کے ہاتھوں میں دیا؟

اور ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟، اور اس کے نتیجہ میں کس طرح عذاب الٰہی کا نوالہ بنے؟ غرض بیداری اور شعور کا ایک گہرا سمندر اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں، اسی وجہ سے

خداوند عالم نے بھی قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان سب کو اپنی آیات کہہ کر تعبیر کیا ہے۔

قرآن مجید میں ذکر آثار انبیّاء و اوصیّاء

اس جدید دور میں ایک مستقل شعبہ قائم ہوا ہے جس کو محکمہ آثار قدیمہ کا نام دیا جاتا ہے، ہر ملک اور ہر علاقہ میں موجود آثار قدیمہ کی دیکھ ریکھ اور ان کو ضائع ہونے سے بچانا اس شعبہ کا اہم اور اساسی ہدف ہے چنانچہ اس سے متعلق افراد شب و روز سرگرم عمل رہتے ہیں، اور اپنے ملک و ملت کی تمام یادگاروں کو محفوظ رکھنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اور اپنے بزرگوں کی ان نشانیوں کو آباد رکھ کر ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

لہٰذا قرآن مجید نے بھی انبیّاء، اوصیّاء اور اولیّاء کرام کے ان آثار کو باقی رکھا ہے اور اگر قرآنی آیات میں تتبع کی جائے تو ہم کو دو طرح کے آثار نظر آتے ہیں کبھی کھنڈرات اور ویرانوں کی شکل میں، کہ جو کسی سرکش قوم اور ظالم و سفاک حکمرانوں کے ظلم و استبداد کی روداد بیان کرتے ہیں ،اور اللہ کی نافرمانی اور اپنے نبیؑ کے ساتھ کئے ہوئے پیمان اطاعت کو توڑا کہ جس کے نتیجہ میں عذاب الٰہی نے انھیں اپنی چپیٹ میں لے لیا اور کبھی صفا و مروہ، تابوت بنی اسرائیل اور مقام ابراہیم کی صورت زندہ ہیں، اور صرف اللہ نے ان کو زندہ ہی نہیں رکھا بلکہ لوگوں کو مسلسل پیغام بھی دیا کہ جاؤ اور ان کو قریب سے دیکھو!

لہٰذا ارشاد ہوتا ہے "أَوَ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كانَ عاقِبَةُ الَّذِينَ كانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ آثاراً فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَ ما كانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ واقٍ" کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا ہے جو ان سے زیادہ زبردست قوت رکھنے والے تھے اور زمین میں آثار کے مالک تھے پھر خدا نے انھیں ان کے گناہوں کی گرفت میں لے لیا اور اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی بچانے والا نہیں تھا"۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے مخلص اور اطاعت شعار بندوں کی ان علامتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو بعض یادگاروں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "إِنَّ الصَّفا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلا جُناحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِما وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَإِنَّ

اللہَ شاکِرٌ عَلیم"

یقیناً صفا و مروہ یہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی عظیم نشانیاں ہیں پس جو بھی حج کرے یا اعمال عمرہ بجا لائے اس کے لئے کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا بھی طواف کرے، اور جو مزید خیر کرے گا تو اللہ اس کے اس عمل کا قدردان اور اس سے خوب واقف ہے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے "فیہِ آیاتٌ بَیِّناتٌ مَقامُ إبراهیمَ وَ مَنْ دَخَلَهُ کانَ آمِناً وَ لِلّٰهِ عَلَی النّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطاعَ إِلَیْهِ سَبیلاً وَ مَنْ کَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعالَمین"

بیشک کعبہ میں اللہ کی واضح نشانیاں ہیں ان میں سے ایک مقام ابراہیمؑ ہے جو اس میں داخل ہو گیا گویا اس کو امان الٰہی نصیب ہو گئی، اور لوگوں میں سے جو شخص بھی مستطیع ہے اس پر اللہ کے لئے اس کے گھر میں جا کر حج کرنا واجب ہے اور اگر کوئی کافر ہو جائے تو اللہ تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو آثار انبیاءؑ کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں، لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو کیوں زندہ رکھا؟ اس کا جواب مذکورہ آیات میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے کہ پروردگار عالم کی غرض ان سب کے باقی رکھنے سے یہ دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ عبرت، یعنی لوگ ان سے عبرت حاصل کریں، اور اپنے لئے ان کے اندر وہ نشانیاں تلاش کریں جن کے سبب حق کا راستہ میسر آ جائے۔

۲۔ انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کی زحمات کی قدردانی اور عزت افزائی کرنا، جیسا کہ آیت مذکور کے سلسلے میں مفسرین بیان کرتے ہیں کہ "فیہ آیات بینات مقام ابراھیم" خانہ کعبہ میں بہت ساری نشانیاں ہیں زمزم، صفاء و مروہ، رکن و حطیم، حجر الاسود، و حجر اسماعیل لیکن ان سب کے درمیان مقام ابراہیمؑ کو ایک اہمیت حاصل ہے چونکہ یہ وہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ تعمیر کعبہ کے دوران کھڑے ہو کر کعبہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے جس کے سبب آپ کے پیروں کے نشان اس پر باقی رہ گئے۔

اگر اس رو سے دیکھا جائے تو قبرستان جنت البقیع بھی اللہ کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے، جس میں وہ ہستیاں آرام فرما ہیں جنھوں نے شمع رسالت کی پروانہ وار حفاظت کی اور بقاء اسلام کی

خاطر اپنی جان و مال، اولاد اور اعزاء و اقارب تک کی پرواہ نہ کی، لہٰذا اپنے گھروں کو راہ خدا میں جلتے دیکھنا گوارہ کیا لیکن اس کی لپٹیں خرمن اسلام تک نہ پہونچنے دیں۔

جنت البقیع پر ایک نظر

اس قبرستان کا اصلی نام "البقیع الغرقد" ہے لہٰذا ارباب لغت اس کا اس طرح معنیٰ کرتے ہیں "لابقیع: المکان المتسع و لا یسمیٰ بقیعاً الا و فیہ شجر" یعنی بقیع ایک وسیع و عریض جگہ کو کہتے ہیں، اور کسی جگہ کو بقیع اسی وقت کہیں گے جب اس میں درخت پائے جائیں۔

> قبرستان جنت البقیع بھی اللہ کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے، جس میں وہ ہستیاں آرام فرما ہیں جنھوں نے شمع رسالت کی پروانہ وار حفاظت کی اور بقاء اسلام کی خاطر اپنی جان و مال، اولاد اور اعزاء و اقارب تک کی پرواہ نہ کی۔

"الغَرْقَدُ: ھو شجر الشَّوْك" غرقد ایک کانٹے دار پیڑ کو کہتے ہیں" چونکہ غرقد نامی پیڑ اس قبرستان میں بہت زیادہ اگتے تھے لہٰذا اس کو بقیع الغرقد کہا جاتا تھا۔

یہ قبرستان مسجد النبی کے مشرق میں دو سو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے سو سال پہلے تک یہ شہر مدینہ کے باہری علاقہ میں محسوب ہوتا تھا لیکن اب یہ خود شہر مدینہ کا جزء شمار ہونے لگا، اور اب اس کے چاروں طرف روڈ نکال دیئے گئے جن کے نام یہ ہیں، ستین، عبدالعزیز، ابی ذر، باب العوالی۔

ظہور اسلام سے پہلے یہ قبرستان یثرب کے باشندوں کا مدفن تھا لیکن ہجرت رسولؐ اسلام کے بعد یہ مسلمانوں سے مخصوص ہوگیا اور تاریخ عالم کے بڑے قبرستانوں میں اس کا شمار ہونے لگا کہ جس میں ہزاروں صحابہ و تابعین، اور تبع تابعین غرض عالم بشریت کی بڑی مقتدر ہستیاں دفن ہوئیں کتب احادیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس مقدس و محترم قبرستان کا تذکرہ سابق آسمانی کتابوں میں بھی ملتا ہے جیسا کہ کعب الاحبار یہودی سے نقل ہوا ہے:

۱۔ "عن کعب الاحبار الیھودی انہ قال: نجد مکتوباً فی الکتاب {التوراۃ] ان مقبرۃ

بغربی المدینة علی حافة السبیل، یحشر منها سبعون الفاً لیس علیهم حساب، و قال: نجدها فی التوراة کفته محفوفة بالنخیل" کعب الاحبار بیان کرتا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب توریت میں پڑھا کہ شہر مدینہ کے سمت مغرب میں شاہ راہ پر ایک قبرستان ہے کہ روز قیامت جس سے ستر ہزار افراد ایسے اٹھائیں جائیں گے کہ جو بغیر حساب و کتاب کے بہشت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

۲۔ قال سعید المقبری: قدم مصعب بن زبیر حاجاً و معتمراً و معه ابن راس الجالوت {عالم و حبر الیهود الاعظم} فدخل المدینة من نحو البقیع، فلما مرّ بالمقبرة، قال ابن راس الجالوت: انها لهی: قال مصعب: و ماهی؟

قال: اننا نجد فی کتاب اللہ [التوراة] صفة مقبرة فی شرقها نخیل و غربها بیوت، یبعث منها سبعون الفاً کلهم علی صورة القمر لیلة البدر، و قد طفت مقابر الارض فلم ار تلک الصفة حتی رایت هذه المقبرة و فی روایة اخری: هذه التی نجدها فی کتاب اللہ"۔

سعید مقبری کا بیان ہے کہ جب مصعب ابن زبیر بصرہ سے حج و عمرہ کے لئے مکہ آیا تو اس کے ہمراہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم بھی تھا یہ راس الجالوت کا بیٹا تھا جب یہ لوگ اپنے سفر کے دوران مدینہ پہونچے تو اس نے کہا: کیا یہ وہی قبرستان ہے؟ مصعب نے چونک کر پوچھا: کون سا؟ تو اس نے کہا ہم نے اپنی کتاب توریت میں دیکھا ہے کہ ایک ایسا قبرستان کہ جس کے مشرقی حصہ میں درخت اور مغربی حصہ میں گھر آباد ہیں روز حشر اس میں سے ستر ہزار افراد ایسے محشور ہونگے کہ جن کی صورتیں چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہی ہوں گی، اور میں نے زمین پر موجود تمام قبرستان کا مشاہدہ کیا لیکن کسی میں بھی اس صفت کو نہیں پایا مگر میں نے اس میں ان علامتوں کو دیکھا ہے جو ہماری کتاب توریت میں ذکر ہوئیں ہیں۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ لفظیں وارد ہوئی ہیں کہ اس یہودی عالم نے یہ کہا کہ واقعاً یہ وہی قبرستان ہے کہ جس کا ذکر ہماری آسمانی کتاب توریت میں ہے۔

جنت البقیع کی فضیلت

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ دنوں اور مہینوں کو با فضیلت بنایا جیسے روز جمعہ، روز عید، ماہ

رمضان المبارک، ماہ ذی الحجہ کے وہ ایام جن میں مناسک حج بجالائے جاتے ہیں، اسی طرح اللہ نے کچھ ایسی جگہیں بھی اس روئے زمین پر بنائی ہیں جنکا شرف ذاتی ہے جیسے مکہ، مدینہ، نجف اشرف، کربلا مقدسہ، انہیں مقامات میں سے ایک جنت البقیع بھی ہے لیکن کبھی کبھی شرف مکانی اور زمانی ایک ساتھ مل جاتے ہیں جس کے سبب نورانیت میں اضافہ ہوجاتا ہے اگر چہ جنت البقیع خود بافضیلت ہے لیکن اس کا شرف چند برابر ہوجاتا ہے چونکہ اس میں یہ طیب وطاہر ہستیاں مدفون ہیں جن کو اللہ نے اپنے دین کی اساس اور بنیاد بنایا اور جن کے وجود کو اپنے نور سے خلق فرمایا لہٰذا عربی کا ایک مقولہ ہے: "المکان بالمکین، و الدار بساکنھا، و الارض باھلھا" ۔یعنی مکان کی اہمیت اس کے مکین سے ہوتی ہے، اور گھر کی عظمت اس میں رہنے والے کے مطابق ہوتی ہے۔

اسی طرح ہر خطہ ارضی کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس پر آباد باشندوں کی عظمت پر منحصر ہوتا ہے ، اور جیسا کہ کتب احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام ہر روز جنت البقیع کے مدفون افراد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور ان کے لئے بارگاہ خداوندمتعال میں طلب مغفرت کیا کرتے تھے لہٰذا ابی موہبہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: "انی امرت ان استغفر لاھل البقیع" مجھے اللہ کی جانب سے اس امر پر مامور کیا گیا ہے کہ میں اہل بقیع کے لئے استغفار کیا کروں۔

اور اسی طرح ام قیس سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: "مقبرتان تضیئان لاھل السماء کماتضیئ الشمس و القمر لاھل الدنیا، البقیع بقیع اھل المدینہ، و مقبرۃ بعسقلان"

دو قبرستان ایسے ہیں جو آسمان میں رہنے والوں کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح دنیا میں رہنے والوں کے لئے سورج و چاند، ایک اہل مدینہ کا قبرستان بقیع، اور دوسرا اہل عسقلان کا قبرستان۔

بقیع میں مدفون ہستیاں

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ اس مقدس قبرستان میں عالم اسلام کی بزرگ ہستیاں محو آرام ہیں دس ہزار سے زیادہ صحابہ وتابعین، کی قبریں اس کے اندر ہیں ان میں سے کچھ کے نام ہم یہاں بیان کرتے ہیں تا کہ قارئین کی معلومات میں مزید اضافہ ہوجائے۔

حضرت فاطمہؑ زہرا، امام حسنؑ مجتبیٰ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادق، حضرت

ابراہیمؑ بن رسولؐ اللہ، اسماعیلؑ بن امام صادقؑ،عباسؓ بن عبدالمطلب،عقیلؓ بن ابی طالب،عبداللہؓ ،بن جعفر طیار،محمدؓ بن حنفیہ بن علیؑ ،مقدادؓ بن اسود،اسامہؓ بن زید بن حارثہ،فاطمہؑ بنت اسد،صفیہؓ بنت عبدالمطلب،ام البنینؑ،حلیمہ سعدیہ،اوراسی طرح از واج رسولؐ میں سے سودہ بنت زمعہ،عائشہ بنت ابی بکر،حفصہ بنت عمر، ام سلمہ،زینب بنت جحش،جویریۃ بنت حارث،ماریہ القطبیہ ،ام ابراہیم،اوران کے علاوہ اس میں بہت سی بزرگ شخصیات دفن ہیں ۔

جنت البقیع سب سے بڑی زیارت گاہ

ان حضراتؑ کے دفن سے لے کر آل سعود کی ظالمانہ حکومت کے قیام سے پہلے تک بقیع تمام مسلمانان عالم کی سب سے بڑی زیارت گاہ رہی ہے جو بھی عاشق رسولؐ اور خانہ خدا کا زائر مکہ آتا تو وہ قصداً مدینہ آکر حاضری کا شرف ضرور حاصل کرتا اور روضہ رسولؐ کی جالی کو چوم کر آئمہؑ بقیع کے حضور اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا اور اسلام کی سربلندی میں دی گئی ان کی عظیم قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کرتا لیکن افسوس! آج گلشن اسلام میں ہر طرف الوّؤں کا ہجوم ہے نہ جانے کون سی یادگار اسلام منہدم کر دی جائے اور کس رکن اسلام کو خراب کر دیا جائے ،کس مسجد کو مسمار کر دیا جائے اور کس جگہ قرآن کو پارہ پارہ کر دیا جائے لیکن ایک سربستہ اداسی ہے کہ جس نے تمام عالم اسلام،خصوصاً عالم عرب کو اپنی چپیٹ میں لے رکھا ہے،کہیں سے ان کے خلاف کوئی آواز بھی نہیں اٹھتی کوئی یہ تک نہیں پوچھتا کہ تم ان ایمان کے روشن چراغوں کو کیوں بجھانا چاہتے ہو؟

پہلی بات تو یہ کہ ان ظالم حکرانوں سے کوئی یہ پوچھ نہیں سکتا کہ اس عمل شکست وریخت سے تم کو کیا حاصل ہوگا؟ اگر کوئی جرات کر بھی لے تو اس کو جواب میں دو لفظیں کہی جاتی ہیں جیسا کہ نقش اول کے مولف گرانقدر نے لکھا "توسیع ،شرک" یعنی ان قبروں کو منہدم نہیں بلکہ ہم قبرستان کو وسعت دینا چاہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اہل مدینہ ان قبوّں اور روضوں کو پوجتے ہیں اور ان سے توسل کرتے ہیں اور یہ شرک ہے،لہٰذا ہم ان کو اس وادیٔ شرک سے نکالنا چاہتے ہیں۔

کیا توسیع اس انداز وقرینہ سے نہیں کی جاسکتی تھی کہ جس حوصلے کے ساتھ ترکوں نے کی؟ اور کیا شرک کے مٹانے کا طریقہ صرف یہی تھا کہ ان حضرات کی باوفاہڈیوں کے نشانات کو مٹا دیا جائے۔

جنت البقیع کے روضوں کی تعمیر

آئمہ بقیع کے مزارات پر سب سے پہلے قبے مجد الملک ابوالفضل اسعد بن محمد بن موسی مادستانی قمی نے سن ۴۸۸ عیسوی میں بنائے جو سلطان سلجوقی کے وزیر تھے پھر انکی آرایش کا کام عباسی خلیفہ ناصرالدین بن المستضی ءباللہ نے سن ۵۶۰ ھ میں انجام دیا پھر اس کے بعد ترکی کی خلافت عثمانیہ نے مسلسل ۱۵ ابرس تک گنبد خضراء سمیت تمام یثرب کے مزارات مقدسہ کی تعمیر وآرایش کا کام انجام دیا۔

آل سعود کا حجاز پر ناحق قبضہ

دوقبرستان ایسے ہیں جو آسمان میں رہنے والوں کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح دنیا میں رہنے والوں کے لئے سورج و چاند، ایک اہل مدینہ کا قبرستان، بقیع، اور دوسرا اہل عسقلان کا قبرستان۔ پیغمبر اکرمؐ

یہ خاندان حجاز کی ریاست نجد کے ایک گاؤں" درعیہ " میں سکونت پذیر تھا اور اسی خاندان کی ایک فرد محمد بن سعود اس میں ایک نواب کی مانند وہاں کے سادہ لوح افراد پر اپنے احکام تھونپتا تھا اور ان سے کثیر تعداد میں غلّہ وصول کیا کرتا تھا، اسی زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب فرقہ وہابیت کا بانی نے اپنی منحرفانہ تبلیغ کا آغاز کر دیا جس کے نتیجے میں باپ نے عاق کر کے گھر نکال دیا اور جب کچھ نہ بن پڑا تو شیخ محمد ابن عبد الوہاب خانہ خدا کا قصد کر کے راہی مکہ ہوئے وہاں سے واپسی پر مدینہ پہونچے اور وہاں پر اہل مدینہ کو روضہ رسولؐ، اور جنت البقیع میں توسل کرتا ہوا پایا تو دل برداشتہ ہو کر اپنے ایک شاگرد کے یہاں" درعیہ" پہونچے اور ایک عرصہ تک کدکاوش کرتے رہے آخر کار محمد بن سعود تک رسائی حاصل ہوئی لہٰذا اس کو ہم ایک سنی مورخ کی زبانی نقل کرتے ہیں تا کہ ہمارے دعوے کو ایک اور مضبوط دلیل مل جائے، تاریخ نجد وحجاز کے مؤلف بیان کرتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی مہم کا آغاز اپنے وطن عینیہ سے کیا۔ انبیاء کی تعظیم نہ کی جائے، اور ان سے طلب شفاعت نہ کی جائے اس کامیابی کے لئے تلوار کی ضرورت تھی ورنہ ان کے افکار بھی ابن تیمیہ کی طرح صفحۂ قرطاس تک محدود رہ جاتے، اس نصب العین کے لئے ان کی آنکھوں نے نجد کے سرداروں کا جائزہ لینا شروع کیا

بالآخران کی نظر انتخاب محمد بن سعود پر آٹھہری اور محمد بن سعود کی بیوی کے ذریعہ انہوں نے ابن سعود کو اپنا ہمنوا بنالیا۔

لہٰذا عثمانی خلافت کے زوال کے بعد یہ گروہ برطانیہ، اور کلیسا کے ساتھ کئے گئے عہد کے سبب سن ۱۲۲۰ ہجری کو مکہ اور ۱۲۲۱ ہجری میں مدینہ منورہ پر قابض ہوئے، اور ابن عبدالوہاب کے ساتھ کئے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے آل سعود کے پاس اس سے اچھا اور کوئی سنہرا موقع نہیں تھا لہٰذا سب سے پہلے اطراف کعبہ میں موجود آثار انبیاء خصوصاً پیغمبر ختمی مرتبت کے تمام آثار کو تاراج کرنا اپنا اصلی ہدف قرار دیا اور ہر اس یادگار کو منہدم کرنا اپنا فرض سمجھا جس جس سے آپ کی کوئی یاد وابستہ تھی لہٰذا نئی حکومت نے مکے سے مدینہ تک جانے کا نیا راستہ اختیار کیا، یہ راستہ مکے سے مقام بدر تک سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے، یاد رہے یہ وہی راستہ ہے کہ جس سے ابوسفیان، لشکر اسلام کی روانگی کی خبر سن کر اپنے قافلے کو بچا کر مکے کی جانب فرار ہوگیا تھا۔

انہدام جنت البقیع

پہلے ان قبروں پر منار اور ضریح ہوتی تھی لیکن اب کھلے آسمان کے نیچے ان پر صرف ایک پتھر کو علامت کے عنوان سے رکھا ہوا ہے کچھ مومنین اور تشنہ زیارت کے لئے ابھی کچھ قبریں ہیں ورنہ، نہ جانے ان وہابیوں نے کتنی قبروں کو زمیں بوس کر دیا، جب بھی کسی مسلمان کی نظروں کے سامنے وہ دلخراش منظر آجاتا ہے کہ جس وقت بنت نبیؑ کی قبر مطہر سے روضہ اور گنبد کو توڑا گیا تھا تو پورے جسم میں ایک لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے جزبہ انتقام کی لہر دل و ماغ کو جھنجھوڑ کے دینے لگتی ہے کہ اے کاش! یہ سانحہ نہ ہوا ہوتا؟ اے کاش! مدینہ میں ایک بار پھر بنت نبی کے گھر کے چراغ نہ بجھائے جاتے؟ اے کاش! یہ زمین کیوں نہ پھٹ گئی؟ اس آسمان نے خون کے آنسو کیوں نہ برسائے؟

مجھے ایسا لگتا ہے کہ ۸ شوال ۱۳۴۴ ہجری مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۲۵ عیسوی میں سن ۱۱ ہجری کا سورج دوبارہ نکل آیا ہو اور اسی طرح نبیؐ زادیؑ کے دروازے سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہو جس طرح ۱۱ ہجری میں ہوئے تھے، حسنؑ کل بھی ماں پر ہونے والے مظالم کے چشم دید گواہ تھے اور آج خود

ماں کے ساتھ خود ماں کی مظلومیت کے شریک،کل جس طرح علیؑ کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا گیا تھا آج اسی کا پوتا جو ایک عرصہ تک بنی امیہ کے طوق وسلاسل میں جکڑا رہا،دادی کی قبر کے ساتھ ساتھ اس کا روضہ بھی ویران کیا گیا،جنھوں نے کبھی امت اسلامی کے گھروں میں علم وحکمت کے دیئے جلائے تھے آج جاہل اور نادان دشمن ان کی قبروں کے روشن چراغ بجھانا چاہتے ہیں،لیکن افسوس صد افسوس! آج ۸۹ سال گذر گئے لیکن عالم عرب کے سر میں جوں تک نہ رینگی کہ کوئی بڑھ کر یہ کہہ سکے کہ اے ظالموں! تم نے یہ کیا ظلم کر دیا،اولاد رسول کو کم از کم قبر میں تو چین لینے دیتے،لیکن کوئی نہیں جو ہماری آوازوں کو سنے فقط اللہ ہی ہے جو سب کے دلوں کے حال سے خوب واقف اور آگاہ ہے۔

ظاہراً آل سعود نے ان روضوں کو توڑ کر اپنے اموی کردار کا ثبوت دیا لیکن بقول شاعر

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے　　　وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

لیکن اللہ نے اہل بیت علیہم السلام سے وعدہ " فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ "کر کے آل سعود کے ارادوں کا طلسمی محل زمیں دوز کر دیا"يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِؤُا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ " یہ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو خاموش کر دیں لیکن اللہ اپنے نور کو ساری دنیا میں پھیلا کر رہے گا! اور اب وہ دن دور نہیں کہ جب ان عتبات عالیہ کا سرپرست پردہ غیبت سے آئے اور اس روئے زمین پر"یملأ الأرض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا"کا نقارہ ہر طرف بجنے لگے۔

آخر میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ بقیع کے اصلی وارث کے ظہور میں تعجیل فرمائے اور وہ دن دیکھنا نصیب ہو کہ جب پرچم اسلام مکہ و مدینہ کے ایوانوں پر لہرائے اور ظالم کے لئے اپنی حقیقت اور مظلوم کی طاقت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہو۔

★★★★★

تعاون کی گذارش

تمام صاحبان قلم اور شعراء کرام سے گذارش ہے کہ مذہبی وسماجی موضوعات پر اپنے رشحات قلم ہدیٰ مشن کو ارسال فرمائیں